آہنگ

● 3/-

Chief Editor
Kalam Haidri

دبستان اکیڈمی (رجسٹرڈ) رینا ہاؤس جگ جیون روڈ گیا

ماہنامہ آہنگ گیا

ستمبر ۱۹۸۶ء

دفتر: رینہ ہاؤس، جگ جیون روڈ گیا
مطبع: جدید لیتھو پریس، مہندرو، پٹنہ
کتابت: شہزاد انجم، گیا

فی کاپی
تین ۳ روپے

ایک سال کے لیے:	۳۶ روپے
دو سال کے لیے:	۷۰ روپے
تین سال کے لیے:	۱۳۰ روپے

فون
۲۰۴۳۲

محتویات

ایڈیٹر
کلام حیدری

معاون
ڈاکٹر نوشابہ حق

پرنٹر پبلشر کلام حیدری نے جدید لیتھو پریس پٹنہ میں چھپوا کر دفتر آہنگ، رینہ ہاؤس جگ جیون ر

اداریہ

کشکول

عاشقی، صبر طلب
اور تمنّا بے تاب

غالب کے زمانے میں شاید اتنا ہی کچھ عاشقی کے لیے ضروری سمجھا گیا ہو مگر آج ؟
ادب اور خصوصاً اُردو ادب کی زلفوں کے اسیر ہوئے ہیں کہ عذابوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اگر اُردو اور اُردو ادب کی تزوینک و اشاعت کی بھی جرأت کر لی تو کون جانے کس کس سمت سے تیر آئیں اور کلیجہ چھلنی کر جائیں۔

کیا دشمن ؛
کیا دوست ! کیا آشنا ۔ کیا ناآشنا !

لندن میں ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جوبلی منانے کی مسّرت ہمیں بھی ہوئی مگر وہاں ایسے ایسے ترقی پسند نمائندے بن کر پہنچے ہوئے تھے کہ مارکس اور لینن ہی نہیں گورکی اور مائیکافسکی اور پشکن کی روحیں تلملا گئی ہوں گی ــــــــــ لیکن ہم "روح" کی بات کر کے "غیر ترقی پسند" کہلانے کا جرم کر بیٹھے ہیں، اس لیے دوسروں کو کیا کہیں ؟

لکھنؤ ــــــــــ

یو۔پی سرکار سے دو لاکھ (دروغ برگردنِ راوی) کی رقم اِس وعدے پر لی گئی کہ یو پی میں اُردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ جلسے میں ہرگز نہیں کیا جائے گا ــــــــــ معلوم نہیں کہ "دفر شتان وشکوہ" سرکاری داد و دہش کب سے ترقی پسندی کے زُمرے میں داخل کر لی گئی ہے اور کن حضرات نے کی ہے۔

پھر چند سر پھروں نے اُردو کے حق کا سوال اُٹھا ہی دیا ــــــــــ
اور سامعین و "حاضرین" جلسہ نے کرسیاں اُٹھالیں کہ ــــ

خبردار ! اُردو کا نام لیا، بس گولڈن جوبلی کرو ۔ تصویریں شائع کرو، حکومتِ وقت کے گن گا اس کی داد و دہش کے قربان جاؤ ــــ
اور جائے مشاعرے کرتے رہو !

ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت ہے ۔ !
بد بخت لوگ یہ الزام کتنی بے شرمی کے ساتھ لگاتے ہیں۔
ہندو تو غریبی ہٹاؤ کے لیے اور بینا شرما (نئی شرتی) کے لیے تعویذ ہے
یہ ہندا! ہند ——— جہاں احمد آباد ہے! بڑودہ ہے، اور ———
وہ ہے نام اللہ کا !

آہنگ حاضر ہے !
غیر حاضری کے لیے معافی !
تنہا چالیس سال سے اُردو کی ترویج و اشاعت کرتے کرتے عمر کی اس منزل پہ پہنچا ہوں کہ لگتا ہے داستانِ ماضی کئی جِلدوں میں لکھ کر خدا سے دعا کروں کہ اب اس " جنت نشان " سرزمین سے اُٹھالے !

——— کلام حیدری ———

اُردو بحور میں بَل کا تعین

سرسوتی سرن کیف

ڈاکٹر گیان چند نے اپنی قابل قدر کتاب "لسانی مطالعے" میں دو باب بل (STRESS) کے متعلق دیئے ہیں۔ پہلے باب میں تو اُردو میں بل کے اصولوں کا تعین کیا گیا ہے اور دوسرے میں اُردو عروض میں بل کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ دوسرا باب خاص طور پر قابل قدر ہے۔ کیوں کہ صدیوں سے رائج اصولِ موزونیت (ساکن کی جگہ ساکن متحرک کی جگہ متحرک) کی کمزوری دکھا کر پہلی بار یہ حقیقت منظر عام پر لائی گئی ہے کہ محض اس اصول پر تکیہ کیا گیا اور بل کو نظر انداز کیا گیا تو ایسے ٹکڑے بھی بن جائیں گے جو اسکان اور تحریک میں مروجہ بحور سے ترتیب وار مشابہت رکھیں گے لیکن ناموزوں ہوں گے۔ جیسے "بنی لکشمی من کی رانی" اور "ہماری کہانی باقی ہے" میں ترتیب اسکان و تحریک کی مطابقت ہے لیکن پہلا موزوں مصرع بوزن "فعل فاعلن فعلن فعلن" ہے اور دوسرا ٹکڑا ناموزوں ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے اصول موزونیت کی جس خامی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے مسلّم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ صدیوں سے مندرجہ بالا اصول ہی پر اشعار موزوں کئے جارہے ہیں۔ اور بل کے معاملے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی سوائے اس کے کہ ارکان عروض کی ہیئت ہی میں بل کے نقاط (POINT OF STRESS) متعین ہیں اور استادی شاگردی کی دوہری و گفتگو اور مشاعروں میں شعرا کی بلند خوانی کی وجہ سے عروضی لَے (RHTHM) سامعہ میں اتنی رچ بس جاتی ہے کہ بل کے متعلق غلطی نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر گیان چند نے بھی کہا ہے:

> "خوش قسمتی سے ہماری مختلف بحروں کے مختلف اوزان کے ارکان اس ترتیب سے رکھے گئے ہیں کہ وہ بل کے صحیح وقوع کی نمائندگی کرتے ہیں۔"

لیکن یہ اشارہ ناکافی ہے۔ عربی فارسی میں عروض کے قواعد بہت مضبوط ہیں اور ان کے مطابق ارکان کی ترتیب ہی نہیں ان کی ہیئت بھی بل کے نقاط کی جائے وقوع متعین کردیتی ہے۔

اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ مروجہ ارکان میں بل کے نقاط کی نشان دہی مفصل طور پر کی جائے۔ یہ دو وجوہ

[illegible] ہے۔ ایک ترجمہ یا تہ جملے کا پاس اتنی فرصت نہیں ہے کہ کسی استاد کے قدموں میں بیٹھ کر فن شعر سے واقفیت [illegible] ہو سکے۔ اس صورت میں تمام غیر ضروری اصول و ہدایت آنے چاہئیں کہ غلط فہمی کا احتمال کم سے کم رہے۔ [illegible] بھی ہے کہ مصنف باتوں میں ادبیات دیں بہت پچھے ہے اور ہر زبان کے شعرا اپنی اپنی زبانوں میں نئے نئے [illegible] ہیں اور دوسری زبانوں کے اصناف سخن اور بحور اپنی زبان میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس [illegible] ضروری ہے کہ عربی عروض کے اصول اتنے واضح کر دیئے جائیں کہ وہ ترجموں کے ذریعہ دوسری زبانوں میں بہ آسانی منتقل کئے جا سکیں۔

اس بحث کے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ ماہر لسانیات جس چیز کو بل کہتے ہیں اس کی صورت بھی سمجھ لی جائے۔ الفاظ [illegible] ہیں تو انہیں ٹکڑوں میں بولا جاتا ہے۔ ان ٹکڑوں کو صوتی خوشے (SYLLABLES) کہتے ہیں۔ عموماً ایک صوتی خوشے میں ایک مصوتہ (VOWEL) ہوتا ہے اور اس کے آگے پیچھے ایک، دو یا تین اور بعض حالتوں میں چار مصمتے (CONSONANTS) ہوتے ہیں۔ نہ کسی جملے میں سارے الفاظ ایک سا تناؤ دے کر بولے جاتے ہیں نہ جملے [illegible] سے صوتی خوشوں پر ایک سا تناؤ رہتا ہے۔ اگر تناؤ کی بوقلمونی نہ ہو تو انسان کی بولی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اک سُری (MONOTONOUS) ہو جائے۔

تناؤ کی مختلف صورتیں

تناؤ کا اختلاف دو طرح ہوتا ہے۔ کچھ حالات میں تو کسی خاص لفظ پر خاص طرح کا تناؤ ڈال کر خاص اثر پیدا کیا جاتا ہے لیکن زیادہ تر حالات میں تناؤ کا مخصوص اختلاف الفاظ کی ساخت کو متعین کرتا ہے۔ تناؤ میں ابھی تک پانچ چیزوں کا پتہ لگایا گیا ہے:

(۱) زور (EMPHASIS)
(۲) سُر (PITCH)
(۳) بل (STRESS)
(۴) طول (LENGTH)
اور (۵) اونچائی (LOUDNESS)

اونچائی کی صفت کی وجہ سے آواز کا دائرۂ سماعت متعین ہوتا ہے۔ اونچی آواز دور تک سنائی دیتی ہے۔ اونچائی کا مقصد صرف دور تک آواز پہنچانا ہوتا ہے۔ گلے کے صوتی تار جتنی لمبی لہریں پیدا کریں گے آواز اتنی ہی اونچی ہوگی۔

طول کی پہچان آسان ہوتا ہے۔ کسی خاص مصوتے یا کسی غیر بندشیہ (NON PLOSAVES) مصمتے کو [illegible] معمول سے زیادہ وقت لگا کر ایک خاص اثر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثال کے لئے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کب آؤ گے اور وہ بغیر ناراضی اگر یہ واضح کرنا چاہے کہ میں اگلے روز آؤں گا تو وہ کہے گا "کل" اور

اس لفظ کا تلفظ کرتے وقت لام کی آواز کو غیر معمولی طور پر بڑھا دیں گے، طول پیدا ہوتے ہی لفظ میں [illegible]

بل کا مقصد یہ ہے کہ کسی صوتی خوشے کو دوسرے صوتی خوشوں کے مقابلے زیادہ مسموع بنانا [illegible] [illegible] کرکے کیا جاتا ہے۔ ہندوستانی اور چینی زبانوں میں یہ ممکن ہے کہ کچھ مصوتوں کو ادا کرتے وقت اگر [illegible] ہوا [illegible] تو وہ صرف [illegible] کارفرمائی نہیں ہوتی بلکہ مختلف مصوتہ بن جاتا ہے جسے پہلے مصوتے کی منفوس (ASPI-RATED -) صورت کہا جاتا ہے۔ جیسے "ک" کو زیادہ ہوا پھینک کر ادا کریں تو ہندوستانی کے لئے مصوتہ یعنی "کھ" بن جائے گا۔ پھر اس کو بل سے کس طرح تمیز کیا جائے؟ میں نے ابھی تک اس مسئلے کا کسی [illegible] حل نہیں دیکھا۔ لیکن اپنے تجربات کے بل پر کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں حالات میں یہ فرق ہے کہ منفوسیت (ASPIRA-TION -) میں زائد ہوا صرف ایک مصوتے پر ختم ہو جائے گی اور بل میں پورے صوتی خوشے پر حاوی رہے گی اور اس چکر میں مصوتے کا طول کچھ بڑھ جائے گا۔ خالص بل عروض میں دکھائی دیتا ہے۔

سُر کا اختلاف آواز کے بھاری یا تیز ہونے کا اختلاف ہے۔ یہ بھی گلے کے صوتی تاروں کی کارفرمائی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب ان کے ارتعاش سے پیدا ہونے والی لہریں لمبی ہوتی ہیں تو آواز بھاری ہوتی ہے اور جب ان لہروں کی تعداد بڑھتی ہے تو آواز تیز ہوتی ہے۔ انسانی سامعہ کے لئے ان لہروں کی تعداد کی دونوں طرف کی حدیں مقرر ہیں۔ ایک خاص حد سے زیادہ بھاری آواز بھی نہیں سنائی دیتی اور ایک خاص حد سے زیادہ تیز آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔ سُر کا کام موسیقی میں ہوتا ہے۔ آواز کے طول اور سُر کی آمیزش کے مختلف نمونے مختلف راگ راگنیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چینی زبان میں سُر بدلنے سے اکثر الفاظ کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔

زور میں طول اور بل دونوں کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ سُر اور بل دونوں میں کچھ حد تک طول شامل ہوتا ہے لیکن زور کے لئے طول کو خاص طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ زور کا میدان بہت وسیع ہے۔ ہر قسم کی جذباتی گفتگو، فن تقریر اور ڈرامائی فن میں زور کی کارفرمائی اچھی طرح دیکھی جا سکتی ہے۔ بچوں کو پیار کرنے اور کھلانے کے دوران مائیں اپنے الفاظ میں زور کی بوقلمونیوں کا استعمال کرتی ہیں۔

تناؤ کی مختلف صورتوں اور ان کے عرصہ جات کے عمل کی تقسیم صرف سمجھنے سمجھانے کے لئے کی گئی ہے۔ یہ صورتیں مختلف خانوں میں بٹی ہوئی نہیں ہیں۔ معمولی گفتگو میں بھی کئی لوگ ڈرامائی انداز پیدا کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کا کام محض اونچائی اور طول سے نہیں چلتا بلکہ انہیں زور کا سہارا بھی چاہئے۔ کئی شعرا تحت اللفظ شعر میں بھی سُر کے اُتار چڑھاؤ سے ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے خالص بل کا اظہار تقریباً کہیں نہیں ہوتا۔ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ شعر خوانی کے دوران تناؤ کا جو نمونہ سارے شعر خوانوں میں یکساں دکھائی دیتا ہے اسے عروضی بل کی تنظیم کہنا چاہئے۔

صوتی خوشوں کی نئی تقسیم

بل کے سلسلے میں مختلف زبانوں کے عروضی نظاموں کو شمس الرحمٰن فاروقی نے دو اقسام میں بانٹا ہے:-

اقداری (QUALITATIVE) اور مقداری (QUANTITATIVE)۔ اقداری میں ارکان پر دیئے جانے والے زور کی اہمیت ہوتی ہے اور مقداری میں ارکان کے تلفظ میں صرف کئے گئے وقت کی۔ یعنی ایک میں بل کی اہمیت ہوتی ہے اور دوسرے میں طول کی۔ اس قسم کی تقسیم کا دار و مدار بھی یہی ہے۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے ہر عروضی نظام میں طول اور بل دونوں کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہوتی ہے۔ انگریزی اقداری عروض کی زبان ہے لیکن اس نے مقداری عروض کی زبان یونانی پر اپنا نظام قائم کیا تھا۔ حالانکہ اب وہ اقداری طریقے کی طرف واپس آ رہی ہے۔ خود یونانی میں اقداری اور مقداری دونوں نظام رہے ہیں۔ کلیمنٹ وڈ نے اپنی کتاب "پوئٹس ہینڈ بک" میں لکھا ہے:

"ہومر کے زمانے کے بعد یونانی عروضی نظام مقدار پر منحصر ہو گیا یعنی اس بات پر کہ کسی صوتی خوشے کو ادا کرنے کا وقت لمبا ہے یا تھوڑا۔ روایت یہ تھی کہ لمبے صوتی خوشے کو بولنے میں چھوٹے صوتی خوشے کو بولنے کے وقت سے دوگنا وقت لگتا ہے۔ صوتی خوشہ یا تو بذاتِ خود لمبا ہو یعنی اس میں کوئی لمبا مصوتہ ہو یا موصل مصوتہ (DIPHTHONG) ہو، یا جب اس کا وقوع ایسا ہو کہ اس کے مصوتے کے بعد دو مصمتے ہوں یا مشدد مصمتہ ہو، خواہ اس مصمتے کا دوسرا حصہ اگلے لفظ میں واقع ہو۔ لیکن اگر ایسے دو مصمتوں میں ایک دبا ہوا (MUTE) اور دوسرا جاری (LIQUID) ہو تو ایسا صوتی خوشہ لمبا یا چھوٹا کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان قواعد کے پیچیدہ فروعات بھی ہیں۔ یہ عجیب بنیادی روایت اس بات سے اور عجیب بن جاتی ہے کہ یونانی زبان میں زور کا عمل بھی ہے اور چینی زبان کی طرح اس میں سُر بھی تیز ہوتے ہیں اور اس زبان کی ترقی کے ساتھ انگریزی کی طرح اس میں بل کا دخل بھی ہو گیا۔"

(صفحات ۱۱۷ – ۱۱۸)

آگے جو کچھ کہا جائے گا اس میں طول اور بل دونوں کو مدنظر رکھا جائے گا بلکہ ان کا تعین بھی دکھایا جائے گا۔ عروضی نظاموں کی تقسیم ہمارے لئے اس لئے بھی بے معنی ہو جاتی ہے کہ ہم عربی اور سنسکرت عروض ہی سے بحث کریں گے اور [illegible] صاحب کے مطابق یہ دونوں نظام مقداری ہیں۔

لیکن پہلے ایک ضروری وضاحت کر دینا چاہئے۔ طول کے لحاظ سے صوتی خوشوں کی بنیادی تقسیم سنسکرت میں خفیفیہ (لگھو) اور طویلیہ (گرو) میں کی گئی ہے۔ یونانی عروضی نظام میں بھی مورا (MORA) کو اکائی مان کر صوتی خوشوں کے طول کا اندازہ کیا جاتا ہے یعنی ایک مورا برابر ہے ایک خفیفیے کے اور دو مورے برابر ہیں ایک طویلیے کے۔ عربی نظام عروض میں ارکان کافی لمبے بنا دیئے گئے ہیں اس لئے صوتی خوشوں کے طول کا تعین مشکل معلوم ہوتا ہے (حالانکہ مشکل ہے نہیں)۔ بل کے تعین کے لئے سنسکرت کا طریقہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے کمپیوٹر کے حساب کے لئے دو ہی ہندسے، 'صفر اور ایک' استعمال کئے جاتے ہیں۔ عربی عروض کی زبان میں کہہ سکتے ہیں کہ خفیفیہ حرفِ متحرک ہے اور طویلیہ سببِ خفیف۔ اس جگہ خفیفیہ اور طویلیہ کی اصطلاحیں اس لئے بنائی گئی ہیں کہ حرفِ متحرک اور سببِ خفیف کو ایک ہی طبقے میں رکھنے سے، جو بل کے تعین کے لئے ضروری ہے، اردو داں حضرات کو الجھن ہو سکتی ہے۔

[illegible] کسی حرف [illegible]
[illegible] جاتے ہیں [illegible]
[illegible] متحرک اور [illegible] حرف علت اس قسم [illegible] سنسکرت [illegible]
(गुरु मात्रा) [illegible] طویل صوتے کا [illegible] ہوتا ہے لیکن اس [illegible] اصول [illegible]
([illegible]) [illegible] (लघु मात्रिक [illegible]) [illegible] گرو ماترا [illegible]
بنا دیتے ہیں۔ [illegible] (गुरु [illegible]) [illegible] گرو ماترا (गुरु मात्रा) [illegible]
لگھو ماترا (लघु मात्रा) ہے [illegible] گرو ماترا (गुरु मात्रा) [illegible] سنسکرت کے
اور ماترا [illegible] وہی ہیں جنھیں ہم ساکن حرف کہتے ہیں اور لگھو ماترک اکثر وہی ہیں جنھیں ہم متحرک حرف کہتے ہیں۔ چنانچہ
عروض میں عربی اور سنسکرت علوم یہاں اس نقطے پر آکر مل جاتے ہیں۔

اگر ہم طویلے کے لئے L (LONG کا مخفف) اور خفیفہ کے لئے S (SHORT کا مخفف) کی علامات کا استعمال کریں تو اردو میں مستعمل سالم اور مزاحف ارکان کی یہ صورتیں ہوں گی:
فع (L)، فعل (SL)، فاع (SL)، فعلن (LL)، فعول (SLS)، فعولن ([illegible])، فاعلن (LSL)، مفعول اور فعلات (SLL)، فعلاتُ (SLSS)، مفعولن (LLL)، مفاعیلن ([illegible])، فاعلاتن (LLSL)، مستفعلن (LSLL)، مفعولاتُ (SLLL)۔ متفاعلن (LSLSS)۔ رکن مفاعلتن (LSSLS) کا استعمال اردو میں نہیں ہے اس لئے اسے شامل نہیں کیا گیا۔

اردو میں زیادہ مستعمل بحور

اردو میں کتنی بحور مستعمل ہیں اس کا قطعی طور پر تعین نہیں ہو سکتا۔ زیادہ تر عروضیوں نے اردو میں مستعمل بحور کی تعداد کافی زیادہ مانی ہے۔ میں نے جو قاعدہ اس امر کے تعین کے لئے بنایا ہے وہ یہ ہے کہ غالب، عظمت اللہ خاں اور کچھ موجودہ شعرا کو چھوڑ کر (کیوں کہ ان حضرات نے بحور کے معاملے میں تجربات کئے ہیں) بقیہ شعرا کے یہاں کل ملا کر پندرہ بیس غزلیں جس بحر میں مل جائیں اسے اردو میں مروج سمجھنا چاہئے۔ اس قاعدے کے مطابق میرے خیال میں اردو میں چھتیس بحور مستعمل ہیں۔ ان میں سے سولہ کو بحروں کی بجائے بحری خوشے کہنا چاہئے۔ بحری خوشے سے مراد مختلف بحور کے ان مجموعات سے ہے جن کا غزلوں اور رباعی نظموں میں دوش بدوش استعمال جائز سمجھا گیا ہے۔

یہ چھتیس بحور یا بحری خوشے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ متدارک مثمن مخبون احذ / مطموس (فعلن فعلن فعلن فع / فاع)
۲۔ متدارک مثمن مقطوع (فعلن فعلن فعلن فعلن)
۳۔ ہزج مثمن اخرم ابتر (مفعولن فع مفعولن فع)

(۴) ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف / مقصور (مفعول مفاعلن فعولن / مفاعیل)،
(۵) متدارک مثمن احذ (فاعلن فاعلن فاعلن فع)
(۶) سریع مسدس مطوی مکشوف / موقوف (مفتعلن مفتعلن فاعلن / فاعلان)،
(۷) متقارب مثمن اثلم (فعلن فعولن فعلن فعولن)
(۸) رمل مسدس مخبون محذوف / مقصور (فاعلاتن فعلاتن فعلن / فعلان)،
(۹) خفیف مسدس مخبون محذوف / مقصور (فاعلاتن مفاعلن فعلن / فعلان)،
(۱۰) متقارب مثمن محذوف / مقصور (فعولن فعولن فعولن فعل / فعول)،
(۱۱) ہزج مسدس محذوف / مقصور (مفاعیلن مفاعیلن فعولن / مفاعیل)،
(۱۲) رمل مسدس محذوف / مقصور (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن / فاعلان)،
(۱۳) متقارب مثمن سالم (فعولن فعولن فعولن فعولن)،
(۱۴) متدارک مثمن سالم (فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن)،
(۱۵) مجتث مثمن محذوف / مقصور (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن / فعلان)
(۱۶) منسرح مثمن مطوی مکشوف / موقوف (مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلن / فاعلان)،
(۱۷) ہزج مثمن مکفوف محذوف / مقصور (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن / فاعلان)،
(۱۸) مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف / مقصور (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن / فاعلان)،
(۱۹) رمل مثمن مخبون محذوف / مقصور (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلان)،
(۲۰) ہزج مثمن مقبوض (مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن)،
(۲۱) ہزج مثمن اخرب (مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن)،
(۲۲) مضارع مثمن اخرب (مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن)،
(۲۳) ہزج مثمن اشتر (فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن)،
(۲۴) رجز مثمن مطوی مخبون (مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن)،
(۲۵) رجز مثمن مشاکل (فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن)،
(۲۶) رمل مثمن محذوف / مقصور (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن / فاعلان)،
(۲۷) ہزج مثمن سالم (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)،
(۲۸) کامل مثمن سالم (متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن)،
(۲۹) رجز مثمن سالم (مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن)،
(۳۰) متقارب اثرم اثلم محذوف / مقصور (فاع فعولن فعلن فع فاع فعولن فعلن فع / فاع)،
(۳۱) متدارک مقصور مضاعف احذ / مقطوع (فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع / فاع)

(۳۲) متقارب اثرم مضاعف (فاع فعولن فاع فعولن فاع فعولن فاع فعولن)
(۳۳) متقارب مجزوم اثرم مضاعف (فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن)
(۳۴) متدارک مقطوع مضاعف (فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن)
(۳۵) متقارب سالم مضاعف (فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن)
(۳۶) متدارک سالم مضاعف (فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن)

یہاں میں یہ امر بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اُردو میں بھی عربی قواعد مثلاً صدر و ابتدا میں فاع لانے پر روک اُردو کے لئے بے کار ہیں۔ فاع صدر و ابتدا میں آئے تو عروضی نقطۂ نظر سے کیا فرق پڑتا ہے؟

قواعد عروض کے مطابق مندرجہ بالا فہرست کی بحور مفرد بحور میں بھی ایک حرف کا اضافہ کر کے بحری خوشے بنانا جائز ہے لیکن چونکہ عموماً شعرا نے اس رعایت کا فائدہ نہیں اٹھایا ہے اس لئے میں نے انہیں مفرد بحور مانا ہے۔ اگر ان کے بحری خوشے بنا لئے جائیں تو بھی بحور میں آنے والے موشگافات پر اس بات کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ارکان اور ان پر عمل کی کارفرمائی

اُردو کی ان مروجہ بحور میں اکیس ارکان مستعمل ہیں:

(۱) فع (ے) (۲) فعل (ے ی) (۳) فاع (ی ے) (۴) فعلن (ے ے)
(۵) فعول (ی ے ی) (۶) فعولن (ے ے ی) (۷) فاعلن (ے ی ے) (۸) مفعول (ی ے ے)
(۹) فعلان (ی ے ے) (۱۰) فعلات (ی ے ی) (۱۱) مفعولن (ے ے ے) (۱۲) مفاعیل (ی ے ے ی)
(۱۳) مفاعلن (ے ی ے ی) (۱۴) فعلاتن (ے ے ی ی) (۱۵) فاعلان (ی ے ی ے) (۱۶) مفتعلن (ے ی ی ے)
(۱۷) مفاعیلن (ے ے ے ی) (۱۸) فاعلاتن (ے ے ی ے) (۱۹) مستفعلن (ے ی ے ے) (۲۰) مستفعلن (ے ی ے ے)
(۲۱) متفاعلن (ے ی ے ی ی)

اُردو زبان کے لئے عربی عروضیوں کی ایسی زحافی کاوشات کا کوئی مطلب نہیں ہے جن کے مطابق کسی رکن کے آخری متحرک کو ساکن یا آخری موقوف کو متحرک بنایا جا سکتا ہے۔ مفعولاتُ اور مفعولاتْ، مفاعیلُ اور مفاعیلْ، فاعلاتُ اور فاعلاتْ، مفعولُ اور مفعولْ، فعلاتُ اور فعلاتْ وغیرہ کا فرق ہمارے لئے بیکار ہے کیونکہ عربی اور سنسکرت میں صوتی خوشوں کا آخری حرف متحرک ہو سکتا ہے اور ان زبانوں میں مندرجہ بالا عروضی تفریق مناسب اور متعلقہ ہے۔ لیکن اُردو میں اسے قائم رکھنا بیکار ہے کیوں کہ اُردو میں آخر میں یا تو ساکن آ سکتا ہے یا موقوف۔

موقوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اگلا صوتی خوشہ الف سے شروع ہوتا ہے تو اس الف کو گرا کر یہ موقوف اس کی جگہ لے

[illegible] ہ، ی وغیرہ ہونے کی صورت میں بھی پچھلے صوتی حصے کا موقوف ان حروف [illegible]

[illegible] ارکان میں طول اجزا کے لحاظ سے تعلق کی دو صورتیں ہیں یعنی دو کے ارکان کی تعداد مجموعی طور پر [illegible]

[illegible] پورا (PRIMARY) اور آدھا (SECONDARY)۔ بل صرف طویلیوں پر پڑ سکتا [illegible] اردو میں [illegible] کوئی بل نہیں لیتے (حالانکہ دوسری زبانوں میں یہ بات ممکن ہے)۔ بہت موشگافی کی جائے تو علم [illegible] کی رو سے اسے ثلاثی بل (TERTIARY STRESS) کہہ سکتے ہیں لیکن میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں [illegible] اردو کے مستعمل ارکان میں بل کے متعلق مندرجہ ذیل اصول بنائے جا سکتے ہیں۔

(۱) اگر کسی رکن میں ایک ہی طویلیہ ہے تو اس پر پورا بل ہوگا۔ صرف ایک صورت میں جس کا ذکر آگے ہوگا، پورے کی بجائے آدھا بل آتا ہے۔

(۲) اگر رکن میں دو طویلیے ہیں تو عام طور پر پہلے طویلیے پر پورا اور دوسرے پر آدھا بل ہوتا ہے۔ صرف مفعول میں پہلے طویلیے پر آدھا اور دوسرے پر پورا بل آتا ہے۔

(۳) جن ارکان میں تین طویلیے ہوتے ہیں ان میں پہلے طویلیے پر پورا، دوسرے پر آدھا اور تیسرے پر پھر پورا بل ہوتا ہے۔ صرف مستفعلن ایسا رکن ہے جس کے پہلے اور تیسرے طویلیوں پر آدھا اور دوسرے طویلیے پر پورا بل آتا ہے۔

(۴) اردو میں مستعمل پانچ ارکان میں مختلف حالات میں بل کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل [illegible]

(۱) مفاعیل۔ یہ مفاعیلن مقطوع اور مفاعیلن مکفوف کی صورت میں آتا ہے۔ پہلی حالت میں قاعدہ کلیہ کے مطابق بل آتا ہے یعنی پہلے طویلیے پر پورا اور دوسرے پر آدھا۔ دوسری یعنی مفاعیلن مکفوف کی صورت ہونے پر پہلے طویلیے پر آدھا اور دوسرے پر پورا بل آتا ہے۔

(ب) فاعلن۔ یہ چار طرح آتا ہے: متدارک سالم، مفعولات مطوی مکشوف، فاعلاتن محذوف اور مفاعیلن اشتر۔ ان میں متدارک سالم ہونے کی صورت میں قاعدہ کلیہ کے خلاف بل آتا ہے یعنی پہلے طویلیے پر آدھا اور دوسرے پر پورا بل پڑتا ہے۔ باقی تینوں مزاحف صورتوں میں بل قاعدہ کلیہ کے مطابق آتا ہے یعنی پہلے طویلیے پر پورا اور دوسرے پر آدھا بل آتا ہے۔

(ج) فعولن۔ اس کی دو صورتیں ہیں، متقارب سالم اور مفاعیلن محذوف۔ متقارب سالم کی صورت میں بل قاعدہ کلیہ کے مطابق ہوتا ہے یعنی پہلے طویلیے پر پورا اور دوسرے پر آدھا بل۔ مزاحف صورت میں قاعدہ کلیہ کے خلاف یعنی پہلے طویلیے پر آدھا اور دوسرے پر پورا بل پڑتا ہے۔

(د) فعلن۔ اس کی چار صورتیں ہیں اور وہ سب مزاحف ہیں: فاعلن مخبون، فعولن اثلم، فاعلن مشعث [illegible]

(ابتدائی) ۲ (ثانوی)

[illegible] ۔ [illegible] قاعدے کے لئے [illegible]
[illegible] قاعدہ کے خلاف [illegible]
[illegible]

(۴) فرع ۔ یہ [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] اس کی دو صورتیں [illegible]
[illegible] ۔ [illegible] کی صورت میں [illegible]
[illegible] آدھا بل [illegible] ہے۔

[illegible] زبانوں کی بحور میں بل کے نقاط [illegible] ہوں۔
[illegible] بحور کے [illegible] رہے ہیں کے نقاط مندرجہ بالا قواعد میں آجاتے ہیں اور [illegible]
ہے ہیں۔ ([illegible]) اس لئے عروضیوں اور شعراء بل کے معاملے میں کوئی [illegible] ہوئی۔

اُردو بحور میں بل کی تفصیل

اگر اُردو کی مروجہ بحور کو طویلیوں اور خفیفیوں کی صورت میں اور طویلیوں کو ان پر پڑنے والے دونوں قسموں کے بل سے ساتھ ظاہر کر دیا جائے تو معاملہ زیادہ صاف ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل سطور میں یہی کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لئے پورے بل کے لئے " [illegible] " اور آدھے بل کے لئے [illegible] کے نشانات استعمال کئے گئے ہیں:-

(۱) متدارک مثمن مخبون احذ / مطموس ([illegible])
(۲) متدارک مثمن مقطوع ([illegible])
(۳) ہزج مثمن اخرم ابتر ([illegible])
(۴) ہزج مسدس مقبوض محذوف / مقصور ([illegible])
(۵) متدارک مخبون احذ ([illegible])
(۶) سریع مسدس مطوی مکشوف / موقوف ([illegible])
(۷) متقارب مثمن اثلم ([illegible])
(۸) رمل مثمن مخبون محذوف / مقصور ([illegible])
(۹) خفیف مسدس مخبون محذوف / مقصور ([illegible])
(۱۰) متقارب مثمن محذوف / مقصور ([illegible])
(۱۱) ہزج مسدس محذوف / مقصور ([illegible])
(۱۲) رمل مسدس محذوف / مقصور ([illegible])

(۱۳) مقتضب مثمن سالم (ے,ےَیٰ ے,ےَیٰ ے,ےَیٰ ے,ےَیٰ)
(۱۴) متدارک مثمن سالم (ےَیٰ ے, ےَیٰ ے, ےَیٰ ے, ےَیٰ ے,)
(۱۵) مجتث مثمن مخبون محذوف / مقصور (ی,ےَ / ے, ےَ ےَیٰ [illegible])
(۱۶) منسرح مثمن مطوی مکشوف / موقوف (ی,ے,ےَ / ے,ی,ےَ ےَیٰ ے,ی,ے [illegible])
(۱۷) [illegible] مثمن مکفوف محذوف / مقصور (ی ےَ ی / ےَ ےَ ی,ےَ ی ےَ ی,ےَ ی ےَ ی,)
(۱۸) مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف / مقصور (ی,ے,ی / ے ی,ے ےَ ی,ے ی,ےَ [illegible])
(۱۹) رمل مثمن مخبون محذوف / مقصور (یٰ ےَ / ےَ ےَ, ے, ےَ ی ی ےَ ے,ےَ ی ےَ ے,ی,ےَ)
(۲۰) ہزج مثمن مقبوض (ے,ی,ےَ ی ے,ی,ےَ ی ے,ی,ےَ ی [illegible])
(۲۱) ہزج مثمن اخرب (ے,ے,ےَ ی ےَ ےَ ی, ےَ ےَ ی ےَ ےَ ی,)
(۲۲) مضارع مثمن اخرب (ےَ ی,ےَ ی ےَ ےَ, ےَ ی,ےَ ی ےَ ےَ,)
(۲۳) [illegible] مثمن مسبغ (ےَ ے,ےَ ی ےَ ے ےَ ےَ ے ے,ی ےَ)
(۲۴) رجز مثمن مطوی مخبون (ے,ی,ےَ ی ے,ی,ی ےَ ے,ی ی ےَ [illegible])
(۲۵) رمل مثمن مشاکل (ےَ ے,ی,ےَ ی ےَ ی ی ےَ ے,ی,ےَ ی ےَ ی ی)
(۲۶) رمل مثمن محذوف / مقصور (ی,ے,ی / ے,ی,ےَ ےَ ے ی,ے ےَ ے,ی,ےَ [illegible])
(۲۷) ہزج مثمن سالم (ےَ ے, ےَ ی ےَ ے, ےَ ی ےَ ے, ےَ ی ےَ ے, ےَ ی)
(۲۸) کامل مثمن سالم (ے,ی ےَ ی ی ے,ی,ےَ ی ی ے,ی,ےَ ی ی ے,ی,ےَ ی ی)
(۲۹) رجز مثمن سالم (ے,ی,ےَ ے, ے,ی,ےَ ے, ے,ی,ےَ ے, [illegible])
(۳۰) متقارب اثرم اثلم محذوف مقصور (ی ےَ / ےَ ےَ ےَ ے,ےَ [illegible])
(۳۱) متدارک مقطوع مضاعف احذ / مطموس (ی ےَ / ےَ ےَ ےَ ے,ےَ [illegible])
(۳۲) متقارب مقبوض اثلم مضاعف (ےَ ے, ی ےَ ی ےَ ے,ی,ےَ ی ےَ ے,ی,ےَ ی [illegible])
(۳۳) متدارک مقطوع مضاعف (ےَ ے, ےَ ے, ےَ ے, ےَ ے, ےَ ے, [illegible])
(۳۴) متقارب اثرم مضاعف (ے,ےَ ی ی ےَ ی ے, ےَ ے,ےَ ی [illegible])
(۳۵) متقارب سالم مضاعف (ے,ےَ ی ے,ےَ ی ے,ےَ ی [illegible])
(۳۶) متدارک سالم مضاعف (ےَیٰ ے, ےَیٰ ے, ےَیٰ ے, [illegible])

طاہر نقوی کی افسانہ نگاری

اظہر قادری (پاکستان)

چند ہم پیچھے سے لے کر وسعت اور وسعت سے جدید نسل تک اردو کے مختصر افسانے نے نہایت آن بان سے ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ آج بھی اس کا سفر اسی انداز سے جاری ہے اور آئندہ بھی اس کے جاری رہنے کے امکانات روشن ہیں۔ افسانے کے اس سفر میں افسانہ نگاروں نے اپنی متعینہ منزل تک پہنچنے کے لئے اپنے مزاج، ماحول اور عصری تقاضوں کی الگ الگ راہیں نکالی ہیں جس کی وجہ سے افسانوں میں تنوع اور رنگا رنگی کا بڑا دلکش احساس ملتا ہے۔ افسانے نے زندگی کے ہر پہلو اور ہر [illegible] ہے۔ چنانچہ افسانوں میں رومانی، نفسیاتی، سیاسی، مذہبی، تہذیبی، معاشی اور فکری نکات جس بانکپن سے ادا ہوئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ افسانہ نگاروں کے اس انداز نظر نے افسانے میں ایسی روایت قائم کی ہیں جن سے عصر حاضر کے ادب کے اعتبار [illegible] ساکھ اور آبرو میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

نئی نسل کے جن افسانہ نگاروں نے ان روایات کو اپنے اندر سلیقے سے جذب کر کے افسانے کے فن کو آگے بڑھایا ہے اور زندگی اور اس کے مسائل کو اپنی تخلیقی کاوشوں کا حصہ بنا کر اسے نئے امکانات سے آشنا کیا ہے اس میں طاہر نقوی ایک مشہور نام ہے۔ روایت کے فرسودہ عناصر کو جدت سے ہم آہنگ کرنا اور اس میں توازن اور تناسب برقرار رکھنا بڑی ریاضت چاہتا ہے۔ ریاضت ادیب کی نظر بنانے اور اس کے شعور کی تہذیب و ترتیب کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ طاہر نقوی کے افسانوں کا مطالعہ ان کی ریاضت سے شعور تک کی منزل کا واضح پتا دیتا ہے۔

ادب میں ہنرمندی کا کچھ حصہ روایت سے آتا ہے اور کچھ حصہ عصری تقاضوں کے تحت جدت پیدا کرتی ہے۔ ان دونوں کے تناسب اور متوازن امتزاج سے وہ فنی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جو اظہار کے مختلف وسیلے فراہم کرتا ہے۔ فن کے بغیر فکر کی نامہ نگاری صحافت کا روپ تو دھار سکتی ہے لیکن ادب تخلیق نہیں کر سکتی۔ اس بات کو کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں کہ روزمرہ کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کا بہاؤ اخبار کے صفحات کی زینت بنتا ہے۔ لیکن جب کوئی ادیب انہی واقعات کے امکانی پہلوؤں کو فکر و فن سے آراستہ کر کے ان کے سماجی اثرات اور نتائج کی نشاندہی کرتا ہے تو اس کے اس [illegible] صاحب ادب وجود میں آتا ہے۔

طاہر نقوی کے افسانوں سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انہوں نے اردو کے ممتاز اور باشعور افسانہ نگاروں

...کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کی اسالیب، تکنیک اور فنی مہارت سے بہ احتیاط استفادہ کیا ہے۔

طاہر نقوی کی افسانہ نگاری کا دوسرا حوالہ مواد کا انتخاب ہے۔ مواد کے انتخاب میں اصل رہنمائی سماجی شعور کی ہوتی ہے جو واقعات کے تجزیے اور ان سے صحیح نتائج تک پہنچنے کا عمل ہے اور تربیت یافتہ شعور ہی ... روزمرہ کی زندگی میں چھوٹے بڑے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن ہر واقعہ افسانہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حقیقت کو افسانہ بنانا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے جتنا ضروری ہے کہ گہرائی اپنے تجربے کی سچائی درکار ہے۔ یہی وہ گہرائی اور سچائی ہے جس سے طاہر نقوی کے افسانے کے تانے بانے تیار ہوتے ہیں۔ ان کے فن کو لب و لہجہ ملتا ہے اور ان کے شعور کی سماجی جہت متعین ہوتی ہے۔

اس تناظر میں طاہر نقوی کے افسانوں کا مطالعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ سماجی مسائل کا ادراک رکھتے ہیں اور ان کی صورت گری کا انہیں سلیقہ آتا ہے۔ طبقوں میں بٹے ہوئے سماج میں انسانی کردار جو مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک طرف معاشی خوشحالی، فراوانی "عیش با فراغت" کے مزے اور دوسری طرف محرومی، تنگی اور زبوں حالی کے جو حالات پیدا ہوتے ہیں ان کا طاہر نقوی نے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ وہ شعوری سطح پر اپنے ارد گرد کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں پھر احتیاط اور سلیقے سے انہیں اپنی تخلیق کا وسیلہ بناتے ہیں۔ وہ انسان دوست ہیں۔ وہ زندگی سے محبت کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ زندگی کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھتے ہیں تو تڑپ اٹھتے ہیں اور ان کا قلم حرکت میں آ جاتا ہے۔ وہ زندگی کو مختلف خانوں میں بانٹ کر ان کا الگ الگ تجزیہ کرتے نہیں۔ بلکہ زندگی کو اکائی سمجھ کر اس کے مختلف پہلوؤں اور مظاہر پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں اور اسی لئے وہ جو عملی نتائج اخذ کرتے ہیں ان میں تضاد نہیں ہوتا۔ ان کا یہی وہ انداز نظر ہے جو زندگی کو اپنے فکر و فن کے حصار میں سمیٹے رکھتا ہے اور کسی سطح پر بکھرنے نہیں دیتا۔

طاہر نقوی کے یہاں فن کو ذات کی تنگ و تاریک گلیوں میں بھٹکنے کی اجازت نہیں۔ ان کی فکر کی جولانیاں خارجی دنیا کی کھلی فضا میں سانس لیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے فن میں وسعت اور پھیلاؤ کا دلکش احساس ملتا ہے۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ طاہر نقوی نے اپنے افسانوں کے وسیلے سے زندگی کے ننگے حقائق کو لباس اظہار عطا کیا ہے۔

انشائیہ کے اوصاف

ڈاکٹر سید مجیب ایمان (امریکہ)

انسانی زندگی ایک آئینہ ہے، جس میں تخلیق تبسم کے کئی جلوے ہیں۔ جن میں انشائیہ بھی شامل ہے اور جس کا [illegible] موضوعات میں طنز و مزاح آج زیادہ مقبول ہے، جس میں مصنف کی ذاتی شخصیت، تخیل کی تازگی اور شوخی کی شرارت نمایاں ہوتی ہے۔ مگر ادبی آئینہ میں انشائیہ کے اوصاف کیا ہیں؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟ اور اس کا امتیاز کس طرح ممکن ہے؟ اس ضمن میں اختصار کے ساتھ یہ کہنا ہی کافی ہوگا کہ انگریزی ادب میں جس طرح مضمون نگار اپنے مضمون میں کسی ایک موضوع کو اجاگر کرتا ہے۔ اس طرح انشائیہ بھی زندگی کے چند نقوش ابھارتا ہے۔ لیکن اس میں مکمل تفتیش اور سنجیدگی نہیں ہوتی بلکہ ہلکے پھلکے انداز میں اشاریت اور رمزیت کے ساتھ مقصد بیان کر دیا جاتا ہے۔ مگر مضمون نگاری میں اس سے زیادہ وسعت ہے۔ سیاسی، سماجی، علمی، معلوماتی اور مذہبی نظریات قلم بند کئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ انشائیہ نگار صرف نجی اور انفرادی تجربات کی حامل ہو سکتی ہے۔ جس میں شخصیت کے تمام رنگ ابھرتے ہیں۔ جن کی موجب داخلی رنگ کی رنگینیاں ہوتی ہیں۔ مضمون قریبی خارجی اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ ان کے برعکس انشائیہ کا اوصاف، اسلوب کی شگفتگی اور انسانی کیفیت ہے۔ مقالے کی مانند انشائیہ کا مقصد افادی نہیں ہوتا، اس میں تفتیش کی تریاق جوئے شیر کی جستجو اور آب حیات کی آرزو سے زیادہ طنز کا تیر اور مزاح کے نشانے ہوتے ہیں۔

انشائیہ میں شاعری کی مانند شیرینی، تخیل کی تازگی اور شائستگی کے شگوفے شرط ہیں۔ جنہیں علمی اعتبار سے پرکھا جاتا نہیں کیونکہ اس کا تعلق تنقیدی ادب سے نہیں ہوتا۔ تنقید بذاتہ فلسفیانہ فن ہے جس میں استدلال لازمی ہے۔ مگر انشائیہ نگار [illegible] دیکھا ہے اور تبسم کی نزہت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ جس کے لہجے میں لطف، گفتگو میں گرمی اور نظم جیسی نزہت ضروری ہے۔ نثر میں طمطراق، مزاح میں متانت اور شعور میں شرافت انشائیہ کے اسلوب ہیں۔

انشائیہ میں اخلاقی اقدار بھی شامل ہو سکتی ہیں جو شائستگی کے نشتر سے احساس کو ابھارتی ہیں اور منظر نگاری بھی ممکن ہے۔ موضوعاً فطرت کی عکاسی، جس کی حمایت ہمدردی کا مظہر ہوتی ہے۔ تاہم انشائیہ کا تعلق نثر کا ادب سے ہے اس لئے تنقیدی اور [illegible] تجربے سے [illegible] چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مضامین کو انشائیے کے زمرے میں شمار نہیں کر سکتے۔ جن کی عمدہ مثالیں آل احمد سرور کا مضامین "تنقیدی اشارے" اور اختر لکھنوی کی "جہان بین" ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر [illegible] ڈاکٹر اقبال کا انداز بیان

[illegible] "ڈاکٹر نعیم" ڈاکٹر [illegible] سید احتشام حسین، [illegible] گورکھپوری، فراق گورکھپوری اور ڈاکٹر سید نور الحسن ہاشمی [illegible] انشائیہ کے اسلوب میں نظر آتے ہیں۔

[illegible] کی [illegible] شخصیت [illegible] ہے [illegible] ہوا [illegible] "نے اپنی لغت میں انشائیہ [illegible] کی [illegible] ہوتا ہے جو ہر شخص کی بات نہیں۔ جس کے لئے ذہانت اور فراست کی ضرورت [illegible] مثال کے طور پر [illegible] کے [illegible] حسن نظامی نے لقمان کے [illegible] کی درخواست پر [illegible] "یعنی اخراج کا اخراج [illegible] ہے" زخمی کے زخم کا بہہ جانا ہی بہتر، لہٰذا [illegible] کی [illegible] ممکن ہے۔ حسن نظامی کی یہ مختصر تحریر بلاشبہ انشائیہ نگاری اور بلند بصیرت کی بہترین تمثیل ہے۔

میری [illegible] میں [illegible] انشائیہ نگار کی نگارشات کا کمال یہ ہے کہ زندگی کے مختلف زاویوں کو اس انداز سے اجاگر کرے کہ قارئین [illegible] پہلو کو آسانی سے سمجھ جائیں اور ان کی دل شکنی نہ ہو۔ امکان ہے کہ اختصار سے اسلوب پر بے ربطی کا گمان ہو۔ مگر [illegible] اسے انشائیہ کی خوبی مانا ہے۔ "جانسن" بھی انشائیہ کو ایک غیر منظم تخلیق تسلیم کرتے ہیں۔ میرے خیال میں انشائیہ [illegible] ہے اس لئے نظم و ضبط ضروری نہیں۔ "مونٹین، بیکن، گولڈ اسمتھ اور چارلس لیمب" کے انشائیوں میں [illegible] نمایاں ہے۔ غالباً بے ترتیبی اور سنجیدگی کا سبب یہ ہے کہ ابتدائی دور میں ادیبوں کو ایسے اسلوب کی تلاش تھی۔ جس کے [illegible] اور احساسات کا اظہار آزادانہ طور پر کر سکیں اور جن کے لئے ادبی اصول اور ضوابط کی ضرورت نہ ہو۔ بریں بناء [illegible] "انشائیہ کو آسان ادب کہتا ہے۔ جبکہ یہ فن "سینٹ بیو" کی نظر میں مشکل ہے۔ میری دانست میں انشائیہ مصنف کی [illegible] کی شناخت ہے جس کے مواد میں اس کی روح جلوہ گر ہوتی ہے جیسے "مونٹیگو" نے "ذاتی عکس کا آئینہ" کہا ہے۔ [illegible] میں میکالے، کارلائل، چسٹرٹن اور گارڈنر" کی شخصیت نمایاں ہے، آزادانہ رائے کی رقم طرازی کے سبب آسان [illegible] اور [illegible] کی وجہ سے انشائیہ مشکل فن ہے، قارئین کے قلب پر نہ مٹنے والے نقوش ادب کے دائرے میں مرتسم کرنا آسان [illegible] ضرور ہے۔

[illegible] کی مانند "سوئفٹ" کے انشائیے سیکھا ہیں اور "چارلس لیمب" کا انشائیہ غم کا غماز ہے مگر مزاح کی [illegible] [illegible] ہیں۔ "گولڈ سمتھ" کے انشائیے فطرت کے تجزیئے ہیں جن کی نگارش میں دانشوری کو دخل ہے۔ ان کے علاوہ ایڈیسن، ڈرائیڈن [illegible] کارلائل، رسکن اور اسٹیل" کے انشائیوں میں ان کی شخصیت کا بھرپور رنگ ہے۔ خصوصاً "ایڈیسن اور اسٹیل" نے [illegible] "اسپکٹیٹر" کے ذریعہ اخلاقی قدریں بلند کی ہیں۔ فرانسیسی مصنف "مونٹین" نے فلسفہ کی شمولیت سے فن اور فکر کے نادر [illegible] پیش کئے ہیں۔ اور بیکن کے انشائیے بھی فلسفیانہ خیالات سے خالی نہیں۔

انگریزی ادب میں جس طرح خالص انشائیے کم ملتے ہیں اردو کے دامن میں بھی اصلی انشائیوں کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ البتہ [illegible] کے "سب رس" میں انشائیہ کے کچھ نمونے ملتے ہیں۔ مگر یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ سر سید احمد خاں نے انشائیہ کی بنیاد رکھی۔ [illegible] مولانا عبدالحلیم شرر، مہدی افادی، سجاد انصاری اور علامہ حسن نظامی کی تحریروں میں ان کی شخصیت کے [illegible] [illegible] کے اسلوب سے سطر ہیں۔

انشائیہ کا انداز غالب کے خطوط پر بھی غالب ہے۔ علامہ حسن نظامی کے مضامین "دیا سلائی" اور "آسمان کی آوازیں"

بہت خوب ہیں۔ مرزا عزت اللہ بیگ کے انشائیے "دعوت کی تیاری" اور نذیر احمد کی کہانی "ادب کے اعلیٰ [illegible]" کے بعض مضامین، مثلاً "کوشش، قوت اور نفرت کی بزم آرائی" "انشائیے" میں شامل ہو سکتے ہیں۔

میرے استاد پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مجموعہ "اقتباسات" "انشائیہ" کا خصوصیت حامل ہے۔ جس کا [illegible] ادبی رنگ موصوف کو انشائیہ نگاروں کے زمرے میں شامل کرتا ہے۔ پطرس بخاری کو بھی انشائیہ نگاروں میں بلند جگہ حاصل ہے۔ ان کے مضامین میں بھی مزاح کی چاشنی ہے۔ "لاہور کا جغرافیہ" جس کی عمدہ مثال ہے۔ اسی طرح مولانا چراغ حسن حسرت کی تحریریں خاص طور سے "پنجاب کا جغرافیہ" اسی ذیل میں آتا ہے۔ ان کے علاوہ شوکت تھانوی، شفیق الرحمٰن اور ابراہیم جلیس کی نگارشات انشائیہ کی مجلس میں محترم ہیں۔

اس عصر کے دیگر نثر نگار ادیبوں میں ڈاکٹر وزیر آغا کا انشائیہ "چرواہا"، غلام جیلانی اصغر کا "تسخیر کائنات"، جمیل آذر کا "غیر معروف شہری"، ارشد میر کی "دھوتی" اور آغا سلیم قزلباش کا "نارمل" نکہت آمیز ہے۔ نذیر احمد راہی، اکبر حمیدی، [illegible]، محمد یونس بٹ، محمد اقبال انجم، محمد اسد اللہ، بشیر سیفی اور راجہ ریاض الرحمٰن کی کاوشیں کامیاب ہیں۔ امجد حسین، تصدق حسین سالم، اظہر ادیب، انور جمال اور مسعود ہاشمی کا "ممکنات انشائیہ" توجہ طلب ہیں۔ محمد شمیم ترمذی کا انشائیہ "[illegible]" [illegible] ہے۔

انشائیہ کے موضوع پر بشیر سیفی کی تحقیق اور ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں مبسوط مقالہ کی تحریر [illegible]۔ ڈگری "پی ایچ ڈی" سے سرفراز کرے گا۔ ڈاکٹر انور سدید نے بھی "انشائیہ اردو ادب میں" قلم بند کیا ہے جو مستند کتاب کی صورت میں شائع ہو کر ادب کے ایوان پر جلوہ فگن ہوئی ہے۔ نثری ادب میں انشائیہ بلا شبہ ادبی اصناف کی "ماں" ہے۔ جس نے ادبی دنیا میں رنگا رنگ اولادوں کو جنم دیا ہے جن سے ادب کے آفاق میں خیال کی خوشبو رچ بسی ہے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی، ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر انور سدید نے انشائیہ کی تحریک کو تازگی بخشی ہے۔ جن کی تحریروں سے میں متعارف تھا مگر ان سے ملاقات کا موقع "اہل قلم کانفرنس" میں ملا۔ البتہ مقامی ادیبوں میں سید ماجد کاظمی، مشتاق یوسفی، معین الدین شاہ کی کاوشیں اور راقم کے رقیم باہمی ستائش سے بالاتر ہیں، بیشتر اخبار کے اوراق کی زینت نہیں ہوتے تاہم "اشکِ شب اور آہِ سحر" کی آئینہ دار ہیں۔

الغرض، انشائیہ کے آنچل میں فلسفہ کی فراست بھی ہے اور اخلاق کی اقدار بھی۔ فطرت کے قہقہے بھی ہیں اور احساس کے آنسو بھی، حیات کی حد بندیاں بھی ہیں اور کائنات کے کرشمے بھی، ماضی کی مسافت بھی ہے اور حال کی پرسانِ حال بھی، ان کے باوصف باہمی ستائش کے ستاروں کی گنجائش نہیں۔

گمنامی کی گلی میں گزارہ بہتر ہے، شرف کے شہر میں، شہرت کے شامیانے، آبرو کے انگارے ہیں۔ خصوصاً منافقت کے مرکز کی مشعل، سرخ سویرے کی سند، خوشامد کے خزانے اور امارت کی انجمن، ایمان کے آئینے میں نہیں۔ الحمد للہ۔ ——

...یت اسحٰق

...قل ہونے والا

...مارت بنانے والے ہی نے جب عمارت میں آگ لگادی ...خلفشار بر پا ہوا۔

ویسی دلکشی عمارت بنوانے والوں کو خوف نے آن پکڑا ...ب خوبصورت آشیانہ بلاؤں کا مسکن بن چکا تھا، ویسی عمارت ...زور رکھنے والوں نے ترک تمنا کی عادت ڈالی کہ اس تمنا میں ...ان کا زیاں نظر آیا، ویسی عمارتوں کے معارتاسف میں پڑے ...ب فرد کی جذباتیت سب کو مشکوک کر دینے کا سبب بن ...تی، اور ویسی عمارتوں کی حفاظت کرنے والے چوکتا ہوئے کہ ...مفادات پر حرف آرہا تھا۔

اور تب وہ کام ہوا جو ہونا تھا۔

عمارت میں آگ لگانے والا عمارت ساز گرفتار کر ...یا۔

گرفتاری ایک دشوار امر تھی کہ عمارت کی تباہی نے ...ناؤ سیع کر دیا تھا اور اس کا وجود آزاد پرندے کا استعارہ ...چکا تھا، کہنے والوں نے تو یہ بھی کہا اور لکھنے والوں نے یہ ...تھا کہ پرندے کی آزادی "تربیت" کے بعد کا مرحلہ تھی۔ مگر ...ال یہ معاملہ "دقت" کے حوالے سے جو گزر جانے کے بعد ...ت اور معیار بنتا ہے۔ لہٰذا زبان خلق نقارہ خدا ہے کہ

اضطراری عمل دلیل کا محتاج نہیں۔

تو عمارت میں آگ لگانے والے عمارت ساز کے پاس جوازِ عمل کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ لہٰذا وہ عمل کی تکمیل پر خشمگیں بھی تھا اور محتاج بھی کہ اس کے پاس کرنے کے لئے تو بہت کچھ تھا مگر کہنے کے لئے کیا تھا؟

کہنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہ تھا پس وہ بھاگتا رہا۔

وہ بھاگ رہا تھا....... قریہ قریہ، قصبہ قصبہ، نگر نگر، محلہ محلہ، گلی گلی، مکان مکان.......

وہ بھاگ رہا تھا اور خوش تھا کہ اس کے پاس اصل صلاحیت ہاتھ پیر کی تھی اور ان میں سے ایک اپنا تعامل دکھا چکا تھا اور دوسرا اپنے عمل میں بے اختیار تھا کہ جب ذہن کا اختیار چھنتا ہے تو سب بے اختیار ہو جاتا ہے۔

پس وہ ذہن میں بے اختیار تھا گویا پورے کا پورا بے اختیار تھا اور پورے کے پورے بے اختیار پر مقبوضہ بہت اختیار والے قابو پا سکیں، تاریخ اس کی تکذیب کرتی ہے اس لئے اس کی گرفتاری ایک دشوار امر تھی جو بعد از خرابی بسیار عمل میں آئی۔

آگے کی داستان کچھ یوں ہے کہ جب وہ گرفتار کر لیا گیا تو اس کے بارے میں کسی فیصلے پر "وابستگان رطب و یابس" حادی ہوئے اور پانچ نفری مجلسِ مشاورت نے سعیٔ اصلاح پر فصیح و بلیغ تقریریں کیں اور بہ اتفاق رائے عمل کی مذمت میں تجویزیں منظور کرتے ہوئے مشفقانہ اور مصلحانہ طرزِ علاج کی اہمیت اجاگر کی گئی۔

پس عمارت میں آگ لگانے والا جیل پہنچا دیا گیا مگر مشقت اس کے پاس نہ پھٹکی۔

مشقت اس کے پاس نہ پھٹکی کہ تعزیر کے اس پہلو کو "ازکار رفتہ" قرار دیا جا چکا تھا اور ملزم کو مریض

جاتا جا چکا تھا ـــــــ پس منظر کی تشخیص

بعد میں قرار پائی کہ مریض کے مرض کی تشخیص نہ ہو سکی کیونکہ
اس کی بیماری کی پوری بے اختیاری اس کی وجہ تھی اور اختیاری کا
تعین نہ ہو سکا۔ اس لئے ذہن کا علاج ضروری ہو گیا اور ذہن کے
علاج کے لئے سائیکٹریسٹ کی تلاش شروع ہوئی۔

سائیکٹریسٹ کی تلاش شروع ہوئی، سائیکٹریسٹ
تلاش کر لیا گیا اور مریض اس کے حوالے کر کے قوم کے سبھی افراد
مطمئن ہو گئے کہ قوم نے اپنی ذمہ داریاں کماحقہ نبھا دی تھیں۔

جب قوم اپنی ذمہ داری پوری کر چکی تو سائیکٹریسٹ
اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

سائیکٹریسٹ آگے بڑھا ـــــــ اس کے
پاس آیا جو عمارت جلانے کی کوشش میں خود بھی جل چکا تھا۔

ـــــــ لباس تار تار ـــــــ ہاتھوں اور
چہروں پر آگ کی لپٹوں کا عکس ـــــــ بال بھویں
سب راکھ ـــــــ ازل سے کسی آگ میں جلتا
بھنتا کردار!

ازل سے کسی آگ میں جلتا بھنتا کردار خاموش
بیٹھا تھا۔

سائیکٹریسٹ اس کے پاس آیا۔

"بھائی!" سائیکٹریسٹ نے اس کے شانوں پر
ہاتھ رکھا اور گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

جلتے تپتے سلگتے ریگستانوں کے بیچوں بیچ
ـــــــ عضویاتی نظام کے
اجتماعی کل سے الگ ـــــــ تڑپتی ـــــــ
رقص کرتی ـــــــ خون میں تر ـــــــ
جانے کیا کہتی ـــــــ جانے کیسا سلگتی
ـــــــ دو ـــــــ ہاں ـــــــ
ہاں دو آنکھیں ـــــــ لہو دیدے

دو لعل ـــــــ"

سائیکٹریسٹ نے اپنے آپ کو پھر سمجھا۔

اپنے آپ میں سمجھا ـــــــ اور اپنی ساری
طاقتیں جمع کر کے گویا ہوا اور بہت دیر تک اس کے بے معنی
عمل پر اسے سمجھاتا رہا اور وہ سنتا رہا ـــــــ

جب سائیکٹریسٹ کو یقین ہو گیا کہ اس کی باتیں اپنی طوالت
اور گہرائی کی انتہا تک پہنچ چکیں اور اس کے ذہن و دل میں
سرایت کر چکیں تو اس نے پوچھا ـــــــ

"تو بھائی! تمہیں اپنے عمل کی بے معنویت اور اس کے
سبب ہونے والے نقصانات کا اعتراف ہے نا؟"

اور سوال کر کے اس نے جلدی سے ٹیپ آن کیا کہ
اس کی کامیابی کے ثبوت کے لئے اس کا بیان کا تحفظ ضروری تھا۔

آگ لگانے والے نے سائیکٹریسٹ کی طرف دیکھا۔

تڑپتی ـــــــ رقص کرتی ـــــــ خون میں تر لعل
ـــــــ جلتے تپتے سلگتے
ریگستان کے بیچوں بیچ ـــــــ دو آنکھیں
ـــــــ لو دینے دو۔

انگارے ـــــــ دو انگارے لپکے ـــــــ
"بھوں ـــــــ بھوں ـــــــ بھوں
ـــــــ بھوں ـــــــ"

سائیکٹریسٹ کی طرف یہ اس کی پہلی توجہ تھی۔

سائیکٹریسٹ اپنی کرسی پر سے اُلٹتے اُلٹتے بچا ـــــــ
الف گھوڑے کی طرح بدکا، بندر کی طرح اپنی جگہ چھوڑ کر
اُچھلا ـــــــ اور بگٹٹ بھاگا تو اپنے کمرے میں آ کر
دم لیا۔

کمرے میں آ کر دم لیا اور نہ جانے کتنی دیر تک اُلٹا
سیدھا سانس لیتا رہا، اور جب سانس کا حلقہ کم ہوا
اور اس کے ہوش بجا ہوئے تو قلم کاغذ لے کر اس نے بہت

مجرم ایک خطرہ کہا گیا ہے ـــ

پھر اُسے لاٹ دیا۔

اسے بتایا گیا کہ وہ سائیکریٹسٹ ہے۔

اس نے دوسرا کاغذ لیا اور لکھا ـــــ "

"مجرم قابلِ اصلاح ہے، اس کے لاشعور میں ویسے ہی گھر کرنا بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ اس نے خود تخلیق کیا ہے، لہٰذا اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے ملتی جلتی سجائی گئی خوبصورت عمارت کا پروانۂ ملکیت دے دیا جائے ـــــ "

یہ رپورٹ پانچ نفری "مجلس مشاورت" کے پاس بھیجی۔

مشاورتی مجلس نے اپنے سفارشی نوٹ کے ساتھ اسے "اوپر اوپر" بھیج دیا۔

اوپر اوپر سے عمارت کا الاٹمنٹ ہو گیا۔

اور عمارت میں آگ لگانے والا ویسی ہی ایک دوسری خوبصورت عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔

منتقل ہونے والا منتقل ہو کر منفعل تو نہیں ہوا مگر مشتعل بھی کیا ہوتا!

مشتعل کیا ہوتا کہ جس صورتِ حال کے انہدام کے لئے اس نے اپنا آپ داؤ پر لگایا، اب وہ خود ویسی ہی صورتِ حال کے حصار میں تھا اور اس کی صورتِ حال یہ تھی کہ وہ اس صورتِ حال کی زد سے اپنا تعاقب نہیں کر پا رہا تھا۔

اور جسم تو ہر حال میں ایسی ہی صورتِ حال کا تمنائی رہتا ہے۔

وہ گھبرا کر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے والا ہی تھا کہ دل کو دہشت عرض پرداز ہوئی ....."

"حضور پہلو بستر پر استراحت فرمائیں ...."

وہ ہڑبڑا کر بستر پر چڑھنے لگا تو خادمائیں آقا کے لئے حاضر ہوئیں۔

"عالی جاہ! قدم ہائے مبارک دھو لئے جائیں"

بے تحاشہ ہو کر وہ پیر دھونے لگا تو خادماؤں نے ہاتھ پکڑ لئے۔

"حضورِ سلامت! یہ تو ہم لوگوں کا فرض ہے۔"

اور خادماؤں نے ہاتھ پکڑا تو اس نے بازوؤں کی ہاتھ بڑھا دیئے۔

"اعلیٰ حضرت! تفریحِ خاطر کے لئے ہیں۔" انھا نے ایک طرف کھڑی برق صفت گل رخوں اور مہ وشوں کی طرف اشارہ کیا۔

تب عمارت میں آگ لگانے والا .... سائیکل کی طرح اچھلا، کودا، بڑکا، بھڑکا ـــــ "

اور اب ....."

وہ اچھل رہا ہے، کود رہا ہے، بھڑک رہا ہے، بڑک رہا ہے ـــــ "

اور جانے کس دُھن پر تھرک رہا ہے ناچ رہا ہے

اور سب خاموش ہیں

کیا یہ صرف دیکھنے اور سننے کا وقت ہے؟؟

کیا مشاورتی مجلس اب فضیلت صبر پر کوئی تجویز پاس کرنے والی ہے ـــــ ؟؟؟

عبدالصمد

اختر چچا

وہ ابا کے سکنڈ کزن تھے۔ اس زمانہ کے پروردہ، جب ایک بہت بڑی سی حویلی میں پانچ سات سلسلوں کے رشتے دار مل جل کر رہتے، سبھوں کے کھانے ایک ہی باورچی خانہ میں پکتے۔ چولہے پر ایک یا کئی دیگیں چڑھتیں۔ روزانہ ایک بکرا ذبح کیا جاتا اور مرغ، پھلیوں اور سبزیوں کا کبھی حساب نہیں رکھا جاتا۔ سبھی رشتہ داروں کی شادیاں، عقیقہ، ختنہ اور دوسری رسومات حویلی میں ادا کی جاتیں اور قریب رہنے والے لوگوں کو بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان رشتوں اور رشتہ داروں کو آپس میں کیا نوعیت ہے۔ اس زمانے میں دوسروں کی آمدنی پوچھنا معیوب تھا کیونکہ آمدنی اور روٹی کا رشتہ اتنا مضبوط نہیں تھا۔ ایسا لگتا کہ غیب نے سبھوں کی ضروریات پوری کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

اختر چچا کے والد بزرگوار ایک چھوٹے سے زمیندار تھے۔ تھوڑی سی زمین بھی تھی۔ شریفوں کے اطوار کے مطابق لکھنؤ جا کر حکمت پڑھی تھی لیکن مطب میں کبھی نہیں بیٹھے یوں گھر والوں میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ نسخے رہتے۔ ان کے کمرے کی الماریاں دواؤں سے بھری رہتیں اور فضا میں ایک عجیب قسم کی بو چھائی رہتی۔ گھر والے پہلے امراض لے کر انہیں دکھانے جاتے انہیں دوائیں مفت میں ملتیں۔ اس زمانے میں ... دیا تھا اور یہ عقیدہ عام تھا کہ دواؤں میں شراب ... ہے لہٰذا ڈاکٹری دوائیں حرام سمجھی جاتیں۔

جب ملک میں آزادی کی نعمت سے لوگ واقف ہو چکے تھے اور اسے حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے، اس وقت ہمارے خاندان نے بھی ... کر اس میں حصہ لیا۔ اگرچہ کچھ نوجوانوں پر جناح اور ... کا رنگ چڑھ چکا تھا، وہ چوری چھپے مسلم لیگ اخبارات پڑھتے اور اس کے جلسوں میں شریک ہوتے۔ ان کی ہمت نہیں تھی کہ گھر میں رہتے ہوئے وہ کھلم کھلا اپنے مسلم لیگی ہونے کا اعلان کریں۔ میرے دادا بڑے قوم پرست تھے، انہوں نے ابا کو اس لئے علی گڑھ بھیجا گوارا نہیں کیا کہ وہاں فرنگی تعلیم دی جاتی ہے اور وہاں پڑھ کر آدمی کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ آزادی کا پھل چکھنے سے قبل دادا کا انتقال ہو گیا، البتہ ان کا روشن کیا ہوا چراغ خاندان میں جلتا رہا۔ شاید اچھا ہوا کہ وہ آزادی دیکھنے سے قبل ہی مر گئے۔ کم از کم وہ اپنی آنکھوں میں وہ سہانے اور مقدس خواب تو لے گئے جو ان کی طرح لاکھوں، کروڑوں قوم پرستوں نے دیکھے تھے اور جن کے سہارے قیامت تک وہ میٹھی نیند تو سوتے رہیں گے۔ ... آزادی کے بعد وہ کتنی بار مرتے اور کتنی بار جیتے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں میرا گاؤں بھی شرپسندوں کے ہاتھوں نہیں بچ سکا۔ اور سب لوگ تو قبل ہی شہر میں محفوظ جگہوں پر منتقل ہو چکے تھے، لیکن اختر چچا کے گھر والے شہر میں کوئی ٹھکانا نہیں ہونے کی وجہ سے گاؤں ہی میں رہ گئے۔ فسادات میں ان کے گھر پر بھی حملہ ہوا اور گھر کے کئی افراد بھی شہید ہوئے۔ اختر چچا آنکھوں دیکھی کہتے تھے کہ ان کے گھر کے نوکروں اور ... نے حملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نشان دہی کر کے سرخرو ہوئے۔ سب لوگ لٹ لٹا کر شہر میں رشتہ داروں

کچھ بنا لئے ۔ اب ان کے پاس جو قیمتی یا بے قیمت چیز بچی تھی، [illegible] ۔ پاکستان کا راستہ اگرچہ سہل نہیں تھا لیکن کھلا ہوا تھا ۔ ان کے والد کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا ۔ والدہ بھی بہنیں اور بھائی پاکستان چلے گئے ۔ اختر چچا اپنی بیوی کے ساتھ یہیں رہ گئے ۔ بھائیوں نے انہیں ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا یا نہیں، اس کی تصدیق تو نہیں ہو سکی لیکن اختر چچا ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے ان سے پاکستان چلنے کے لئے بہت کہا لیکن وہ باپ دادا کی سرزمین چھوڑ کر جانے پر ہرگز تیار نہیں ہوئے ۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد وہ بالکل تنہا رہ گئے ۔ بال بچے تھے نہیں، ایک بیوی تھیں جو ان کا ساتھ دینے کو ہر دم تیار تھیں ———— یہاں سے اختر چچا کا بالکل دوسرا جنم ہوا ۔ اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی ۔ اب تک وہ ایک بڑے خاندان کا ایک بہت ہی چھوٹا اور غیر اہم حصہ تھے، ان کی اپنی کوئی شناخت نہیں تھی ۔ وہ خاندان سے پہچانے جاتے ۔ لیکن اب سارے عناصر بکھر چکے تھے ۔ مجموعی شناخت کا وجود ختم ہو چکا تھا اور ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر شناخت کی دوڑ میں لگا ہوا تھا ———— جدوجہد اور کوششوں کا وہ ایک عجیب زمانہ تھا ۔

اختر چچا کے پاس کوئی جائداد نہیں تھی ۔ گاؤں کا مکان کھنڈر بن گیا تھا، اس پر اغیار کا قبضہ ہو چکا تھا ۔ زمینداری پر ان کے چچا جو سرکاری نوکری کرتے تھے، قابض تھے ۔ اور اختر چچا کو پتہ بھی نہیں تھا کہ اس میں ان کا کتنا حصہ ہے اور وہ کب ملے گا ۔ والد نے شوقیہ کتابت سکھا دی تھی اور وہ بھی وقت گزاری کے لئے کرتے رہتے تھے ۔ یہ شوق ان کے بہت کام آیا ۔ کلکتہ کے ایک روزنامہ میں ان کو نوکری مل گئی ۔ سستا زمانہ تھا دونوں میاں بیوی کے لئے بہت کافی تھے ۔ اگرچہ دوسرے کا [illegible] کمائی کا نشانہ بنا لیا تھا اور [illegible] نظر آتا تھا لیکن [illegible] چچا

نے کبھی ہچکی کا نام نہیں لیا ۔ ان کی ضرورت دو سو روپے ایک سایہ کے ساتھ فوراً ختم ہو جاتی تھی ۔ دس کے بعد اچانک ان کے ہاتھوں میں رعشہ آگیا اور [illegible] سے چھٹی مل گئی ۔ کلکتہ سے واپس آئے تو ردی کا بھی سامنے تھا ۔ آزادی کو کئی برس گزر چکے تھے اور آدمی کا رشتہ اتنا گہرا اور مضبوط ہو چکا تھا کہ اب دو الگ الگ تصور رہنے کا خواب بن گیا تھا ۔ شہر میں کے جو مکانات تھے وہ اتنے تنگ تھے کہ خود ان کے چچا [illegible] ان میں نہیں سماتے تھے ۔ دو مردوں کو کہاں سے [illegible] تو وہ تم سے ابا، ابا اور دوسرے رشتہ کے ہاں رہتے رہے لیکن جگہ کسی کے پاس نہیں تھی اور تو اپنے ہر ٹکڑے پر نام، پتہ اور قسمت لے کر آتی ہے کسی دوسرے کی گنجائش تو بالکل نہیں نکل پاتی تھی ۔ اختر چچا بھی زندگی بھر محنت کا کوئی کام نہیں کیا تھا ۔ ہلکے پھلکے کام بھی وہ نہیں کر سکتے تھے ۔ ہاتھوں میں اتنا رعشہ آچکا تھا پانی پیتے تو آدھا گلاس ضرور ہی چھلک جاتا اور پھر وہ کس خصوصی مٹی سے بنے تھے کہ رشتوں اور رشتے کو بھولنے پر ہرگز تیار نہ تھے ۔ مزاج کا یہی عنوان ان کا سب سے بڑا روڑہ تھا ۔

زمینداری کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جو زمینیں بچی رہ ان میں کام کرنے کے لئے آدمی نہیں ملتے تھے ۔ زمیندار نے کبھی کھیتوں کا منہ نہیں دیکھا تھا سوا نہیں بس ایک ہی نظر آیا ۔ کھیتوں کے نام پر ساہوکاروں سے قرض لیتے اور وہ تقاضہ کرتا تو اس وقت تک اصل اور سود اتنا بڑھ کہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا کہ کھیتوں کو اونے پونے داموں، ساہوکاروں کے ہاتھ ڈال دے ۔ جس کے اونے پونے دام قرض کی صورت میں وصول کر چکے ہوتے ۔ وہ کھیتوں کو کھلم کھلا بھی بیچ سکتے

[illegible] اچک گیا

اور [illegible] زیادہ [illegible] ان کی [illegible] کی [illegible] اور [illegible] دوائے [illegible] [illegible]

بچپن میں ان کو سخت [illegible] نظر آتا۔ چہرہ زرد سا رہتا تھا۔ وہ جب کچھ کھانے کی کوشش کرتے تو کوئی [illegible] آتا۔ اس طرح [illegible] آ آ وہ ناکام ہوتا۔

یوں دو برس پہلے زمینداری کے [illegible] بانڈ مزدور مل جاتے لیکن اول تو ان میں دفتر کے اہل کاروں کا مخصوص حصہ تھا، دوم یہ کہ [illegible] ۴۰ سے ۵۰ فی صدی کی شرح سے بکتے تھے۔ اس لئے جو زمیندار دس ہزار کے بانڈ لے کر بہت خوش ہوتا وہ اس وقت بہت مایوس ہوتا جب ان کے بدلے تین ساڑھے تین ہزار روپئے آتے۔ خاندانی وقار اور روایات کو برقرار رکھنے میں انہیں آگ کے جن دریاؤں سے گزرنا پڑا، دوسرے ساحل سے نظارہ کرنے والے کبھی محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ ابا اپنے خاندانی وقار اور روایات کے آخری امین تھے۔ چالیس ہزار روپئے سالانہ زمینداری کے مزے لوٹ چکے تھے۔ لیکن بچا کھچا وہ اپنے بارے میں جانتے تھے، دوسرے اس سے کہیں زیادہ جان گئے تھے۔ اختر چچا اپنی بیوی کے ساتھ آئے تو دلہن نے استقبال کیا اور رہنے کے لئے کہا۔ بڑے ابا کے دونوں بیٹے مشن اسکولوں میں پڑھ رہے تھے۔ اچانک جو ان کو تشویش ہوئی تو ان کو خیال آیا کہ یہ بچے تو قرآن شریف اور اردو کی تعلیم کے بغیر ہاتھ ہی سے نکل جائیں گے۔ بیچارے معلم کی تلاش شروع ہوئی اور اختر چچا پر ختم ہو گئی۔ انہوں نے اختر چچا کو پٹنہ آ جانے کی دعوت دی۔ بیس روپئے ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ چچی نے دبی زبان سے کہا بھی کہ [illegible] بیس روپئے میں کیا رکھا ہے۔ بڑے ابا نے گرچہ کچہری میں جا کر کبھی [illegible] قانون کی ڈگری ولایت جا کر لائے تھے [illegible] ایسا [illegible] کہ سب منہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

ابو [illegible] کی ایک [illegible] ضرورت [illegible] [illegible] بات ان [illegible] یہ کہ ان کو جانے سے نہیں روکا [illegible] زیادہ اچھا [illegible] انہیں مل ہی نہیں سکتا۔

ابا کو اسی زمانے میں ہم دو تینوں [illegible] جانے کا شوق تھا۔ اس کے بعد ہی انگریزی اور دوسرے علوم کی تعلیم دینے کا خیال تھا۔ ایک اچھے استاد حافظ صاحب بہت ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے جو دن میں گھنٹے اور تین گھنٹے رات میں پڑھاتے تھے۔ قیام و طعام کے ساتھ تیس روپیہ تھا۔ اتفاق یہ کہ حافظ صاحب بیمار پڑ گئے [illegible] دیکھ انہیں مر جانا چاہئے تھا۔ ہم لوگوں نے انہیں کو ساتھ اٹھایا تھا۔ بے حد کمزور ہو گئے تھے اور مارنے میں ہاتھوں کے استعمال کے قابل نہیں تھے۔ اس کار خیر کے لئے کھجور کی تازہ اور پتلی پتلی چھڑیاں آئیں۔ ان کی بیماری نے طول کھینچا اور ہم لوگوں کی عید ہو گئی۔ امی بیمار رہا کرتی تھیں اور ہم لوگوں کو اس زمانے میں جو ایک دو ڈاکٹر تھے، ان پر سابق زمینداروں کو اعتماد نہیں تھا۔ چنانچہ ان کے علاج کے سلسلے میں ہم لوگ بڑے ابا کے یہاں پٹنہ آ گئے۔

ہم لوگ قرآن شریف اور اردو بھی [illegible] پڑھے ہوئے تھے۔ حافظ صاحب بہت اچھے کاتب تھے اور ہم لوگوں کو انہوں نے تختی کی مشق کرائی تھی۔ [illegible] اور حساب ہم لوگوں نے نہیں پڑھی تھی۔ میرے دونوں بھائی اور [illegible] انگریزی بولتے۔ جب کوئی [illegible] کو [illegible] [illegible] میں جواب دیتے۔ اس وقت ہم لوگ حسرت سے انہیں تکتے رہتے۔ [illegible] میں وہ لوگ [illegible]

[illegible] اور [illegible] اسکول چلے جاتے۔ شام کو
[illegible] اس کے بعد اختر چچا سے
[illegible] اور [illegible] پڑھتے۔ اس وقت ہم لوگوں کی بڑی
[illegible] ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ [illegible] اختر چچا ہم لوگوں کو
[illegible]، اس سے [illegible] نہیں پڑھا سکے۔
[illegible] سے [illegible]، ہم لوگوں کے لئے دلچسپی کا ایک
سامان تھے۔ سبق پڑھاتے تو میرے چچا زاد بھائی منہ چھپا کر
ہنستے۔ اختر چچا خوب بگڑتے اور ایک آدھ ہاتھ لگا بھی دیتے۔
چھڑی بھی رہتی مگر اس کے استعمال کی نوبت کم ہی آتی ___
___ دس پندرہ منٹ پڑھانے کے بعد اختر چچا کی گفتگو
میں مسکراہٹ پھیلنے لگتی، پان کھا [illegible] اور تیزی سے
پکڑوں اور ہم لوگوں کے چہرے پر [illegible] لگتی اور بے ہنگم
قسم کے قہقہے ابلنے لگتے۔ وہ تقریر کے موڈ میں آجاتے۔ اُن کا
محبوب موضوع چھڑ جاتا۔ جناح صاحب کی بے پناہ تعریفیں
کرتے۔ پاکستان بنوا کر مسلمانوں پر انہوں نے جو احسان کیا
ہے، اس کا ذکر ہوتا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں، پٹنہ میں منعقد شدہ
مسلم لیگ کے سالانہ جلسے کا آنکھوں دیکھا حال سناتے۔ جس
گاڑی سے جناح صاحب آرہے تھے اس کے استقبال کے لئے
اسٹیشن پر کتنی بھیڑ تھی، خود اختر چچا کے ہاتھوں میں [illegible]
[illegible]۔ کون کون مسلم لیگی لیڈر آئے تھے اور جناح صاحب
کے ساتھ ان کی بیٹی کیسی [illegible] تھی۔ [illegible] کس طرح جلسہ
ہوا تھا اور اس میں کتنا بڑا مجمع امنڈ آیا تھا۔ لگتا تھا پورا
پٹنہ [illegible] چلا آیا ہے۔ ہر طرف مسلم لیگ کا چرچا تھا
اور پاکستان کا وجود مسلمانوں کے دلوں میں جم چکا تھا وغیرہ
وغیرہ۔ پھر وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ جناح صاحب سے اپنی
ملاقات کا حال سناتے کہ کس طرح وہ ایک اخبار کے دفتر میں
[illegible]۔ جناح صاحب سے انہوں نے ہاتھ ملایا، جناح
صاحب نے انہیں [illegible] کہا اور پھر انہوں نے [illegible]

جناح صاحب کو رائے دی کہ مسلمانوں کے
اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جناح صاحب
ان کی بیٹی [illegible]۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ
دراصل جناح صاحب [illegible] ہیں انہوں
.... اس پوری داستان کو دہرا
جاتا تھا۔ اس میں من و عن فرق نہیں ہوتا
کا تھا۔ ہم لوگوں کو داستان سے کوئی دلچسپی تو
جس طرح اس کو بیان کرتے اس سے ہم لو
ہوتے۔ جہاں ان کو جوش آتا وہیں ان کی آ
ہو جاتیں۔ چہرے پر پسینے کی بوندیں پھیل جاتی
الفاظ نکلتے، وہ سمجھ میں نہیں آتے۔ ہم لوگ
قاصر تھے کہ ایسی حالت میں ان پر [illegible] کا دور
غم و غصہ کا یا کسی اور کیفیت کا ____
بار بڑے ابا تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے ا
سمجھایا کہ آپ بچوں کو کیا الم غلم بتاتے رہتے ہ
ہندوستان میں رہتے ہوئے ایسی بات، آپ
کرا دیجئے گا وغیرہ وغیرہ ____ لیکن ا
اثر نہیں ہوا بلکہ وہ ان دونوں باتوں [illegible]
جیسے ان کے سامنے لطیفے بیان کئے جا رہے ہو
کو پھر وہی داستان چھڑ جاتی۔ بڑے ابا نے [illegible]
سختی سے ڈانٹ دیا کہ جب پاکستان سے ایسی
ہے تو پھر آپ جاتے کیوں نہیں۔ یہاں بیٹھے کی
ہیں۔ اختر چچا پر کچھ اثر ہوتا ہی نہیں تھا۔ ایک
مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتے۔
"تم نہیں سمجھو گے بلو میاں" ____
یہاں رہنے میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے [illegible]
جانتے تو پھر یہاں رہ جانا تھا ____
[illegible] کی بات۔ بڑے ابا بھی [illegible]

[illegible] رہ جاتے۔ اس وقت اختر چچا یوں لگتے جیسے وہ جاہلوں کے سردار ہیں اور ان کے سامنے کوئی لال بجھکڑ ہوں۔

کبھی معلوم ہوا کہ وہ نکّڑ پر ہوا ایسے تیرے سے [illegible] قسم کی باتیں کر سکتے ہیں۔ گھر کے اندر اگر کوئی مہمان آتا تو وہ اس تاک میں رہتے کہ کب وہ خالی ہو اور وہ آ دبوچیں [illegible] کے ساتھ۔ بڑے ابّا اس صورت حال پر بہت جھلّاتے اور اختر چچا پر بہت بگڑتے۔ اس قدر [illegible] ہوتا کہ سارے گھر میں اس کی گونج پہنچتی۔ اختر چچا پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ بدستور مسکراتے رہتے۔ ان پر کسی کے بگڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا لیکن اگر چچی دبی زبان سے بھی کچھ دیتیں تو بس آفت آ جاتی۔ وہ بھڑک سے اکھڑ جاتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ گھر چھوڑ کر چلے گئے اور کئی کئی روز کے بعد لوٹے۔ خدا معلوم کہاں شب و روز گزار کر آتے تھے۔ ہم لوگوں کے لئے وہ تفریح کا ایک چلتا پھرتا ذریعہ تھے۔ جب کسی مہمان کو جہاں ہیں وہ گھیرتے تو ہم لوگ ان کی پشت کی طرف کھڑے ہو کر اور کنکھیوں سے اشارہ کرتے کہ ان کے دماغ میں کچھ خلل ہے۔ وہ بیچارے جوش کے ساتھ بکتے جاتے اور مہمان مسکرا مسکرا کر سر ہلائے جاتا۔ جب کبھی ہم لوگوں کو تفریح سوجھتی تو چچی کو خوشامد بھی کرتے کہ اختر چچا آئیں تو وہ انہیں ذرا چھیڑ دیں۔ چچی بیچاری ہم لوگوں کی خاطر چھیڑنے پر مجبور ہوتیں۔ یوں بھی اختر چچا کے رشتے سے خاندان اور گھر کا ہر کس و ناکس ان سے موقع بے موقع مذاق کرتا رہتا اور کبھی تو یہ مذاق [illegible] کی حد تک جا پہنچتا۔ حالانکہ چچی اس وقت رو بہ [illegible] ضعیفی تھیں۔ ویسے وہ تھیں بہت خوبصورت۔ لمبی چوڑی، گوری، خاصی صحت مند [illegible] میں بھی ان کا جسم کہیں سے ڈھیلا نہیں ہوا تھا۔ [illegible] کے بیچ [illegible] تھے۔ ان کے مقابلے [illegible] [illegible] آتے۔ ہمیشہ گندے کپڑے پہنے ہوئے [illegible]

کہ پہننے میں یہ پان کی پیک کے دھبے [illegible] موجود ضرور رہتا لیکن [illegible] رہتے۔ بے ڈھنگی سی مونچھیں [illegible] آنکھیں حد سے زیادہ [illegible] وہ بالکل مخالف سمت میں دیکھتے تھے۔ اس وقت ان کا سر چابی کے گڈّے کی طرح برابر طرح ہلنے لگتا۔ اگر اتفاق سے اس وقت ہم لوگوں میں سے کوئی اس وقت موجود ہوتا تو اسے اپنی ہنسی برداشت کرنی مشکل ہو جاتی۔ امّی کہا کرتی تھیں کہ جوانی میں وہ کافی خوبصورت تھے اور دونوں میاں بیوی کی جوڑی مشہور رہی۔ ہم لوگوں کو کبھی یقین نہ آتا کہ اختر چچا کے سامنے جب کوئی چچی کی تعریف کرتا تو بہت خوش ہوتے اور ان کی باچھیں کھل جاتیں۔

ایک بار ہم لوگوں کے یہاں بہار [illegible] بہت ہی بوسیدہ اور پھٹے گھر کے کپڑوں میں آ گئے۔ ہم لوگوں کو جا [illegible] شرمندگی ہوئی۔ چچی بھی ساتھ تھیں۔ ابّا نے ان سے پوچھا کہ کیا اختر بھیّا کے کپڑے نہیں ہیں ——— چچا نے جواب دیا کہ بابو کپڑے تو بہت ہیں۔ پاکستان سے ان کے بھائی بہن کپڑوں کے تھان، گھڑی اور دوسری چیزیں بھیجتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ استعمال ہی نہیں کرتے ——— وجہ چچی نے وجہ نہیں بتائی وہ اختر چچا نے بتائی۔ ابّا کے کان کے پاس منہ لا کر انہوں نے کہا کہ خدا کے دربار میں دیر ہو سکتی ہے اندھیر نہیں۔ ابھی بچے نہیں ہوئے تو کیا ہوا۔ امید تو لگی ہے اور اپنا ایمان [illegible] ہے، بابو میں یہ کپڑے میں نے اپنے بچوں کے لئے رکھ چھوڑے ہیں۔ ابّا مسکرا کر رہ گئے۔

ایک دن اچانک بڑے ابّا اور ابّا کے پاس پاکستان سے ان کے بھائی کا خط آیا کہ [illegible] آپ لوگ [illegible] ترک کرنے پر آمادہ ہیں۔ والدہ [illegible] کا انتقال [illegible] نے بھائی صاحب کو [illegible]۔ اب آپ [illegible]

چھوٹے ہو لیکن آپ لوگوں کی تو کچھ نہ ہوا کہ تعزیت کے ضرورت نہیں ــــــــــــ بات واقعی بہت سیریس تھی۔ سب بڑے ابا اور ابا سخت پریشان تھے کہ ان لوگوں کو کوئی جواب نہیں دیا جا سکا ہے۔ اختر چچا سے دریافت کیا گیا تو آپ اپنی مونچھوں میں ایک خاص ادا سے مسکرا کر بولے۔

" خبر تو ملی تھی لیکن یہ خبر صحیح نہیں، اس لئے کسی کو نہیں بتایا ــــــــــــ "

" آپ کو کیا پتہ کہ خبر صحیح نہیں تھی ؟ "

" اس لئے کہ میری ماں پاکستان میں مر ہی نہیں سکتیں۔ اُن کی مٹی تو ہندوستان کی ہے، وہ پاکستان میں کیسے دفن ہو سکتی ہیں ؟ "

عجیب مجبوری تھی۔ اب ہزار ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ مرنے کا کوئی وقت اور مقام تھوڑے ہی مقرر ہے۔ بھلا بتائیے 'آپ کی ماں مر گئیں، جو آپ پر فدا تھیں اور آپ بھی ان کو بے حد چاہتے تھے، لیکن آپ پر کوئی اثر ہی نہیں۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور اپنی بات پر اڑے رہے۔ تھک ہار کر لوگوں نے انہیں کے حال پر چھوڑ دیا اور تعزیت کا خط لکھنے بیٹھ گئے۔

ایک بار بڑا مزا آیا۔ ایوب خاں کی کتاب 'FRIENDS NOT MASTRS' نئی نئی آئی تھی اور اس کا بڑا شہرہ تھا۔ بڑے ابا حضرت خواجہ غریب نواز کے عرس میں اجمیر شریف گئے تو دلی سے وہ کتاب بھی لیتے آئے اور سبھوں نے احترام کے ساتھ باری باری اس کا مطالعہ کیا۔ جانے بڑے ابا کو کیا سوجھی کہ انہوں نے اختر چچا سے کہہ دیا کہ ایوب خاں نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے کہ مولوی اختر حسین صاحب نے پاکستان کا آئیڈیا جناح صاحب کو دیا تھا اور یہ کہ پولیس کے بڑے افسران کی تلاش میں آئے تھے، ذرا چھپ کر رہئے گا' میں نے بیان کر دیا ــــــــــــ

خوشی کی لہریں اختر چچا کے چہرے اور جسم کا رعشہ پورے بدن پر طاری ہو گیا اور بلند ہونے لگے جیسے اندر کہیں ان کی مٹ[illegible] کے بعد پھر یہ ہوا کہ گھر سے باہر نکلنے میں [illegible] جہاں پولیس کی گاڑی گزرتی یا کسی [illegible] بری طرح بھاگتے کہ دیکھنے والوں کو ہنسی آ[illegible] دیا گیا تھا کہ گاڑی پر سی۔ آئی۔ ڈی کے [illegible] بڑے ابا کے ہاں اکثر لوگ گاڑیوں پر آ[illegible] گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوتی ادھر و[illegible] ہوئے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ما[illegible] مہمانوں کو انہوں نے وقت بے وقت پورا [illegible] جو لوگ جانے بوجھے تھے، ان کی کہاں [illegible] سب کو رازدارانہ انداز میں بتاتے کہ [illegible] پیچھے پڑی ہوئی ہے' میں نے پاکستان بنوای[illegible] ــــــــــــ اُن کی معصومیت پر ہنسی کا[illegible] مشکل ہوتا۔ جب ایوب خاں کی کتاب پڑ[illegible] میں آئی تو انہوں نے پیسہ جوڑ جوڑ کر وہ [illegible] انگریزی نہیں جانتے تھے اس لئے ہر ایک کو پھرتے کہ دیکھو' ایوب خاں نے میرے بار[illegible] ہے ــــــــــــ کمال یہ ہے کہ ہر شخص اُ[illegible] جس کے وہ متوقع رہتے۔ اُن کا بھرم تو[illegible] کسی میں نہیں تھی۔

میرے دونوں چچازاد بھائی وارجلنگ[illegible] اسکول میں پڑھنے چلے گئے۔ اختر چچا کا بڑے ابا[illegible] مصروف نہیں رہا۔ اختر چچا نے میرے چچازاد [illegible] کتنا قرآن شریف اور کتنی اردو پڑھائی، [illegible] سلسلے میں نے ان لوگوں کو اردو [illegible] اختر چچا کچھ دستور میں اردو پڑھا رہا ہوا اور کہا[illegible]

[illegible] بہت [illegible] پر اشارہ کیا۔ ایک بیچارہ [illegible] [illegible] کا ہی کمرہ [illegible] جامن میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ایک کمرہ میں [illegible] کام [illegible] [illegible] میں ایک چارپائی [illegible] کر [illegible]۔ [illegible] ایک [illegible] پیالیں سادہ [illegible] چائے بنانے۔ چائے پی کر [illegible] بازار سے گوشت اور سبزی لینے چلے جاتے۔ اس کے لئے پیسہ انہیں رات ہی میں دل جاتا۔ اسی وقت وہ بڑے [illegible] کو دن کا حساب بھی سناتے [illegible] وہ بڑی [illegible] سے [illegible] جانتے [illegible] پیسہ ادھر ادھر [illegible] صلاحیت نہیں۔ اُن سے اگر شکایت تھی تو [illegible] سامان بہت خراب لاتے۔ [illegible] سامان فروخت [illegible] [illegible] مال [illegible] کر اُن کے [illegible] رکھے ہوتے ہیں۔ [illegible] اختر [illegible] کا [illegible] اُن سے زیادہ اچھی چیز [illegible] نہیں سکتا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ کبھی قائل نہیں ہوتے تھے اور اپنی بات پر ہمیشہ اڑے رہتے۔

ایک روز [illegible] اختر [illegible] صبح بھی اور اپنے پورے سامان کے [illegible] آرہے ہیں۔ [illegible] کھلی ہوئی ہیں اور [illegible] [illegible] میں [illegible] رہے ہیں۔ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں انہوں نے [illegible] کا [illegible] دیا اور [illegible] سے چائے کی فرمائش کر دی۔ [illegible] کا موڈ بہت خراب تھا۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ [illegible] سے [illegible] الٹ گیا۔ اختر [illegible] کو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی اور وہ جلد ہی اٹھ کر کھڑے بھی ہو گئے۔ [illegible] کو چوٹ آ گئی تھی۔ وہ سڑک پر گری پڑی تھی اور [illegible] کی حالت پر [illegible] رہے تھے۔ جب [illegible] [illegible] نے اس کو [illegible] تاہم [illegible] شریف بی بی [illegible] ہے۔ وہ بیچارہ دور ہٹ گیا۔ آپ ہی کہ [illegible]

[illegible]
[illegible] کہا [illegible] کی [illegible]
[illegible] بہت بڑھ آئی [illegible]
[illegible] گھر سے [illegible] [illegible]
جانے والا کوئی نہیں تھا۔ اختر [illegible]
آپ کو آ کر پیار اور خوش خوش لئے جاتے تھے۔ ایک روز وہ سوئے ہوئے تھے۔ گھر کے باورچی نے [illegible] کو [illegible] لے جانے کو کہا۔ بس پھر کیا تھا، آفت ہی آ گئی۔ باورچی کی جان کو [illegible] میں تیرے مالک کا بھائی ہوں، [illegible] میں [illegible] ان باتوں کو لے کر انہوں نے اتنا ہنگامہ مچایا کہ [illegible] ختم ہو گئی۔ ان کو اختر [illegible] کا یہ اقرار بہت ناگوار گزرا۔ [illegible] کھڑے کھڑے ان کو نوکری سے جواب دے دیا [illegible] خالی کرنے کو کہا ______ تو مستقل قیام کے ارادے سے آئے ہی بیچارے۔ ابا نے بہت سمجھایا کہ آپ بیس روپے ماہوار پاتے ہیں تو رشتہ اور رشتہ داری کی بات کیوں سوچتے ہیں۔ آپ جا کر بھائی صاحب [illegible] غلطی پر تھے، وہ مان جائیں گے۔ لیکن اُن کی بس [illegible] رٹ تھی، رشتہ کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ دنیا ہزار ادھر سے اُدھر ہو جائے لیکن رشتہ تو اپنی جگہ پر قائم ہی رہتا ہے۔ تھک ہار کر ابا نے اپنی کوشش چھوڑ دی۔ ہمارے [illegible] کی غیر مرکزیت کی مجبوری سے واقف ہی نہیں تھے۔ [illegible] اپنی مجبوری ______ [illegible] کے آگے وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔

ہم لوگ [illegible] قرآن شریف ختم کر کے [illegible] [illegible] شروع کر چکے تھے۔ حافظ صاحب [illegible] انتقال ہو گیا [illegible] دوسرا [illegible] آیا، مغرب کی اسکول کے مجلس [illegible] کے ممبر [illegible]

[illegible] ہی جنوری میں آٹھویں کلاس کی تیاری [illegible] ہم [illegible] تھے۔ اس میں بھی پہنچے۔ اختر چچا ہم لوگوں کے بارے میں طرح طرح کی پیشین گوئیاں کرتے رہتے ——— یہ ڈاکٹر بنے گا، اس کے اندر میں ڈاکٹر کے جراثیم کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ یہ ڈاکٹر بنے گا بن جاتا ہوں۔ ہوش میں آکر ڈاکٹر ——— اور ٹیچر کہ کر ہنسنے لگتے۔ رات میں کھانے سے فارغ ہو کر، صحن میں لیٹ کر خوب زور زور سے گاتے۔

بچپن کا بھی وہ دور نرالا یاد ہے
شیر دل ٹیپو کا (کی) خونی داستاں بھی یاد ہے
یاد ہے جی یاد ہے جی
یاد ہے ——— یاد ہے

گاتے گاتے نیند آجاتی۔

ایک صبح نیند ٹوٹی تو دیکھا کہ سارے صحن میں اچھی ان کے پیچھے دوڑی پھر رہی ہیں اور وہ ان کو جل دے کر بھاگے جا رہے ہیں۔ عجیب مضحکہ خیز منظر تھا۔ بوڑھے جوان بچے دیکھ دیکھ کر سب ہنسی سے بے دم۔ ایک بار تو اچھی کے ہاتھوں میں ان کی لنگی آگئی ——— جیسے تیسے چھوٹی اور ان کے ہاتھوں میں صرف ایک چیتھڑا رہ گیا۔ اچھی بولنا کر رہ گئیں اور ان کو کوستے ہوئے صحن میں دھم سے بیٹھ گئیں۔ ہوا یہ کہ اچھی کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنی میلی کچیلی لنگی اتار دیں اور صابن سے نہالیں۔ اختر چچا کا کہنا تھا کہ صابن میں شراب اور دوسری گندی چیزیں ملی ہوتی ہیں، اس لئے وہ کبھی صابن سے نہیں نہا سکتے۔ انھوں نے زندگی بھر صابن نہیں لگایا تھا۔ یہ ہم لوگوں کے لئے ایک انکشاف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ صابن رنگ جلا دیتا ہے اور یہ کہ اسی وجہ سے ان کا رنگ اتنا صاف تھا۔ [illegible] ہم لوگوں کی مثال دی کہ ان لوگوں کا رنگ اتنا صاف کیوں ہے ——— انھوں نے فوراً اٹل دیا کہ وہ ہم لوگوں سے زیادہ گورے ہیں ——— ہم لوگوں کی بے [illegible] گئے۔ ایک بار گھر میں دال کی پھینٹی بنی۔ ہم بھی، لیکن اختر چچا نے چکھی بھی نہیں ——— انھوں نے اور ان کے باپ دادا نے کبھی کھا کیوں کر کھا سکتے ہیں۔ وہ بھوکے رہ گئے۔

ساتویں دہائی کے آخر میں بنگلہ دیش کے زمین سے بلند ہونا شروع ہوا۔ آٹھویں دہائی دھواں صاف ہوا اور پورا دیو نمودار ہوا۔ [illegible] سے منافع خور تاجر کی شکل میں ابھر آیا تھا۔ [illegible] بھائی پاکستان میں بہت خوشحال تھے۔ شہر جیسا رہا ہو، لیکن ان کے خط برابر آتے تھے کہ آ جائیے ——— بنگلہ دیش بن چکا تھا او[ر] بہاریوں میں تھے جو پہلا دھماکہ سنتے ہی لوٹ پار [illegible] چلے گئے تھے۔ کراچی میں ان کے اپنے مکانات تھے [illegible] اور کالجوں میں پڑھ رہے تھے، گھر کی عورتیں اور [illegible] چھوٹے بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کے لئے آدمی کہاں سے بڑھ کر بھروسہ کس پر ہو سکتا تھا۔ اختر چچا بے چارگی پر خوب روتے، لیکن جانے کا نام کبھی [illegible] بہت کوشش کی کہ وہ پاکستان چلے جائیں۔ لیکن ایک ہی جواب ہوتا کہ پاکستان میں ان کا کیا کام ——— کی مٹی تو ہندوستان کی ہے، وہ دوسری جگہ دفن [illegible] دوسری طرف وہ پاکستان کے خلاف ایک لفظ بھی [illegible] تھے۔ ان سے تو خیر کوئی سنجیدگی سے مخاطب بھی نہ [illegible] لیکن اگر کسی کو پاکستان کے خلاف بولتے سنتے تو [illegible] نہیں ہوتا اور وہ خم ٹھونک کر کود پڑتے اور [illegible] میں ایسی ایسی دلیلیں دیتے کہ سننے والے کے پاس [illegible] نہیں ہوتا تھا ——— سوائے ہنسی کے۔

ابا نے بہت دوڑ دھوپ کر کے ان کا [illegible]

ہوا انہوں نے لڑکی کا بانڈ تڑوا لیا اور آٹھ ہزار روپیہ اختر چچا کے حوالے کر دیا۔ چچی بہت خوش تھیں کہ پہلی بار اکٹھے اتنے روپے دیکھے تھے۔ رات بھر وہ گیت گاتی رہیں اور طرح طرح کے خواب بنتی رہیں۔

اختر چچا کی خاموشی بڑی پراسرار تھی۔ دوسری صبح وہ غائب ہو گئے۔ روپے بھی غائب تھے۔ چچی تو بے ہوش ہو گئیں۔ ہوش میں آنے کے بعد اُن کو طرح طرح کے وسوسے ستاتے رہے۔ ہم لوگ بھی پریشان ہو کر اُن کو اِدھر اُدھر بہت تلاش کیا لیکن کوئی پتہ نہیں چلا۔ چچی تو صدا یک چوڑیاں بھی توڑ چکی تھیں لیکن پھر امی نے سمجھایا کہ وہ تو پہلے بھی یہ حرکت کر چکے ہیں۔ کچھ دن دیکھ لیجئے۔

——— ایک ہفتہ کے بعد اختر چچا واپس آ گئے۔ باچھیں حسب معمول کھلی ہوئی تھیں جیسے کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آ رہے ہوں۔ خوشی انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔ ابا نے پوچھا غائب کہاں تھے، جواب ملا کہ چھوٹے ابا کے یہاں گئے تھے ———

——— ان کے ایک چھوٹے ابا بھی تھے سگے چچا۔ کسی سرکاری محکمہ میں نوکر تھے، اب ریٹائر ہو گئے تھے۔ اختر چچا کو انہوں نے کبھی نہیں پوچھا، کبھی خط و کتابت نہیں کی۔ یہ ان کے ہاں جاتے رہتے تھے۔ لیکن نہ انہوں نے آنے کے لئے کہا نہ رکنے کے لئے۔ اُن کو اتنی بات معلوم تھی کہ ابا، اختر چچا کے بانڈ کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، چنانچہ انہوں نے اختر چچا کو ایک طویل خط لکھا۔ جس کی خبر ہم لوگوں کو قطعی نہیں تھی کہ اُن کی لڑکی کی شادی ہے، ریٹائر ہو چکے ہیں، پیسہ بالکل نہیں ہے۔ پھر رشتہ اور قرابت مندی کا حوالہ دے کر بانڈ کی رقم مانگی تھی ———

کہاں تو لوگ اختر چچا کو فاتر العقل اور باؤلا سمجھتے تھے، کہاں وہ اتنے چالاک نکلے کہ خط کی بھنک بھی کسی کو نہ لگنے دی اور جب روپیہ ہاتھ میں آیا تو چپ چاپ سب چچا کو دے آئے، اپنے پاس پھوٹی کوڑی تک بھی نہ رکھی ——— چچی جو کچھ بھری بیٹھی تھیں، سب بول گئیں۔ دل کے سارے بخار کو نکالا۔

ابا اور امی نے بھی ان کا پورا ساتھ دیا۔ لیکن اختر چچا ایک مسکراہٹ اور ایک خاموشی میں ساری بلا کو ٹالتے گئے گویا جانتے تھے ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ رات کو کھانے کے بعد جب لیٹے تو بہت مگن تھے اور زور زور سے الاپ رہے تھے ———

بچپن کا وہ دور بھی یاد ہے
شیر دل ٹیپو کا (کی) خونی داستاں بھی یاد ہے
یاد ہے جی یاد ہے .....

جب شہروں کو دیو بننے کا شوق چرایا تو جو گاؤں شہر سے قریب تھے وہ سب اس کے منہ کا نوالہ بن گئے۔ اختر چچا کا گاؤں شہر سے بہت قریب تھا وہ تو شہر کا ایک محلہ ہی بن گیا اور اس میں چھوٹی بڑی صنعتوں اور کولڈ اسٹوریج کا جال سا بچھ گیا۔ اختر چچا کا مکان کھنڈر بن چکا تھا، کچھ زمین بھی تھی۔ یہ لوگ جو ۱۹۴۶ء میں گھر چھوڑ کر بھاگے تو پھر واپس نہیں گئے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ چنانچہ اس طرف ایک بڑا کولڈ اسٹوریج کا مالک ابا کے پاس آیا تو انہوں نے زمین کے قبضہ کی شکایت کی۔ اس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور معاوضہ دینے کا وعدہ کیا۔ ابا نے اختر چچا سے کہا کہ ان کو زمین کے پچاس ہزار تک مل جائیں گے، وہ زمین کے کاغذات دے دیں تاکہ باضابطہ رجسٹری ہو جائے۔ اختر چچا یہ سنتے ہی چراغ پا ہو گئے اور غصہ میں پتہ نہیں اُن کے منہ سے کون سی زبان کے الفاظ نکلنے لگے۔ جو کچھ سمجھ میں آ سکا اس کا لب و لباب یہ تھا کہ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے کہ وہ باپ دادا کی زمین کو بیچیں گے اور وہ بھی اغیار کے ہاتھوں ——— وہ تو ان کے پاس باپ دادا کی مقدس امانت ہے۔ اُن کو یقین ہے کہ ہندوستان اور پاکستان پھر ایک ہوں گے، اُن کی والدہ اور بھائی پھر واپس آئیں گے پھر سے اپنا گھر بسے گا، وہ تو اسی دن کے انتظار میں وقت کاٹ رہے ہیں ——— تم لوگ کتنے بے رحم ہو گئے

[illegible] میں سب سے بڑی مشقت سمجھ رکھی ہے۔ وہ بہت جدوجہد کر رہے تھے ——— ابا، بڑے ابا بھی اس گھر کے سبھی افراد ہندوستان کو سمجھاتے رہے۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

ایک بار چھیڑنے کے لئے میں نے کہا کہ چچا آپ تو گویا اکھنڈ بھارت کی تھیوری پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ بھی ہندوستان اور پاکستان کو ملانے کی بات کرتے ہیں اور یہ ہندو مہاسبھا کی تھیوری ہے ——— حیرت زدہ اور پریشان نظروں سے مجھے دیکھتے رہے منہ سے کچھ بولے نہیں ——— شاید وہ اپنی اور ہندو مہاسبھا کی تھیوریوں کا موازنہ کر رہے تھے۔ لیکن بات کچھ بن نہیں رہی تھی۔

اچانک بہت بیمار ہو گئے۔ بیماری طول کھینچتی گئی۔ بڑے ابا ان کو دیکھنے آئے تو ان کی خستہ حالت دیکھ کر عالم سے آبدیدہ ہو گئے۔ گاڑی والی پر لاد کر ان کو پٹنہ لے گئے۔ ڈاکٹروں سے دکھایا۔ ہاسپٹل میں داخل کیا۔ کئی طرح کے جانچ ہوئے، آخر کینسر نکلا۔ ڈاکٹروں نے زیادہ سے زیادہ چھ مہینہ اور حیات بتائی۔ گھر ہی پر آ گئے، اور جو علاج ممکن تھا چلتا رہا۔ چھ مہینے گزر گئی۔ حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ حلق بالکل بند ہو گیا۔ غذا بند ہو گئی۔ پانی بھی مشکل سے جانے لگا۔ موت تو آنی ہی تھی لیکن پتہ نہیں کہاں اٹکی ہوئی تھی ——— مدت گزر جانے کے بعد ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ کسی وقت بھی موت آ سکتی ہے۔ ہم لوگ صبح اٹھ کر کسی بری خبر کے منتظر رہتے لیکن سارا دن بخیر و خوبی گزر جاتا، رات آ جاتی، اور پھر وہی انتظار۔ ہم لوگ باری باری ان کے پاس رہتے۔ عجیب مشکل ہو گئی تھی۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے۔ داڑھی اور مونچھیں بڑی بے ترتیبی سے بڑھ آئی تھیں۔ آنکھیں کھول کر ہم لوگوں کو دیکھتے تو شکل پر ایک رنگ آ جاتا، بولنے کی کوشش کرتے مگر کوئی آواز نہ نکلتی۔ حلق جو بند ہو گیا تھا۔ اس کوشش میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ اس حالت میں کئی روز گزر گئے۔

اب تک لوگ ان کی زندگی سے بیزار تھے۔ اب موت سے بھی بیزاری ہونے لگی۔ چچی ایک ایک دن میں کئی کئی بار سورہ یٰسین پڑھتیں۔ لیکن سانس کی ناہمواری میں کوئی فرق نہ آتا۔ چچی مجھ سے پوچھتیں کہ بابو، نزع کی حالت میں سورہ یٰسین پڑھنے سے روح جلدی اور آسانی سے نکل جاتی ہے نا ———؟ میں اثبات میں سر ہلا کر رہ جاتا۔ ایک روز چچی سورہ یٰسین پڑھ رہی تھیں اور اختر چچا کی کیفیت یہ تھی کہ آنکھیں کھولتے تھے بند کرتے تھے۔ پتہ نہیں تلاوت کی آواز کانوں میں جا رہی تھی یا نہیں۔ مجھ سے یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ میں نے جھک کر ان کے کان میں کہا۔

"اختر چچا ——— ہندوستان اور پاکستان ایک ہو گئے۔ آپ کی اماں اور بھائی لوگ پاکستان سے آ گئے۔ گھر پھر بس گیا۔"

ان کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی، ہونٹ کپکپائے، ان پر ایک نامعلوم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر ان کا سر ایک طرف کو لڑھک گیا ———

کمرہ میں موجود سبھی لوگ باآواز بلند کلمہ پڑھنے لگے۔ وہ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے کان میں کلمہ کے سوا اور کیا پڑھا ہوگا اور کلمہ کی بڑائی سے کس کافر کو انکار ہے۔

ان کہے سوال

شہنائیوں کی آواز اور باجے کے شور نے انہیں بیدار کر دیا [illegible] کو پھیلا پھیلا کر دریچے کے باہر پھیلی قمقموں کی [illegible] روشنی اور [illegible] ات کو دیکھنے لگے۔

ان کے معصوم ذہنوں میں بہت سے سوال رینگ [illegible] انہوں نے کھڑکی سے نظر ہٹا کر دروازہ کی طرف دیکھا جس کے دونوں پٹ بند تھے۔

آشا پلنگ سے اتر کر دروازے تک آئی [illegible] لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ پھر دریچے کے [illegible] کھڑی ہو گئی اور باہر دیکھنے لگی۔

باہر کا میدان پنڈال سے سجا ہوا تھا اور برقی قمقموں [illegible] لاؤڈ اسپیکر پر گانے بج رہے تھے۔ پورے میدان میں مرد، عورتیں اور بچے اکٹھا تھے۔ وہ لوگوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لیکن سوائے چند چہروں کے باقی اس کے پہچان میں [illegible]

اس کے معصوم ذہن میں کئی سوال سانپ کی طرح [illegible]

[illegible] بارات کس کی ہے؟

[illegible]

[illegible]

لیکن اس کا [illegible]

دے یا رہا تھا

باہر [illegible]

[illegible] تھا

اس [illegible] سورج چاچا [illegible]

(دادا) کو شانہ پکڑ کر اٹھایا جو ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے کھانس رہے تھے اور [illegible] ہوئی نظر ات کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک تھی جسے اس کا معصوم ذہن کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔

سورج چاچا نے بابا کو اٹھا کر سفید دھوتی اور کرتا دیا جو انہوں نے پہن لیا اور پھیلان کی اور دھمی آنکھوں میں آنسو چھلک اٹھے۔ پتہ نہیں یہ غم کے آنسو تھے یا مسرت کے۔

ننھے راجا اور معصوم بیٹو نے کہا کہ "یہ کس کی بارات آئی ہے؟ آؤ دیکھا چل کر دیکھیں۔"

اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "دروازہ بند ہے بھی تمہاں ہیں؟ [illegible]؟"

اور [illegible]

وہ اسے چپ کرانے لگی۔ وہ ان دونوں سے کچھ بڑی اور سمجھدار جو ہے۔

[illegible] باہر کے شور و غل اور کرسے کے [illegible] سے گھبرا اٹھی اور دریچے کے پاس جا کر کھڑی ہو کر آوازیں دینے لگے۔ لیکن شادی کے ہنگامے میں کسی نے اس کی آواز نہیں سنی۔ پھر اسے ڈھونڈتی ہوئی [illegible] کا [illegible] گئی۔ [illegible]

اور [illegible] دریچے کے [illegible]

[illegible]

ہو رہے ہیں۔ پاپا کے گھر کا پھاٹک رہا ہے۔
تیرے پاپا دولہا اور تیری ممی دلہن بنی ہیں۔
رہی ہے۔ میری ممی اور پاپا کیوں دولہا
دلہن بنیں گے۔ تیرے خود بیٹھیں۔"

"ارے واہ! میں جھوٹ تھوڑے ہی بول رہی ہوں
تم خود چل کر دیکھ لو۔"

"باہر سے دروازہ تو بند ہے۔"

"اچھا میں کسی سے کھلواتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور ریتو پھر باہر دیکھنے لگی۔ سامنے چبوترے پر بنے چھوٹے سے منڈپ میں منڈپ سجا تھا اور دولہا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے سہرا ہٹا تو اس نے دیکھا کہ یہ اس کے پاپا ہیں۔ اس کا ننھا سا ذہن الجھنے لگا۔ ابھی وہ حیرت میں ہی ڈوبے تھے کہ دلہن گھونگھٹ ڈالے ہوئے اس نے دیکھا اور دولہا نے بھی اس کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ اس کے بعد وہ پھیرے پڑنے لگے تبھی اسے دلہن کا چہرہ نظر آگیا جو اس کی ممی سے مشابہ تھا اور دلہن کے روپ میں وہ اسے بہت اچھی لگیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ لیکن اب اسے کامنی کی بات سچ لگنے لگی تھی۔ پھر اسے چاچا، چاچی، بابا اور محلہ و خاندان کے بہت سے چہرے نظر آئے جو منڈپ کے ارد گرد جمع تھے۔

تھوڑی دیر بعد بابا پھر اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ رہے، تبھی کامنی اپنی ممی کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہاں آگئی اور کہنے لگی۔ "ممی! دروازہ کھول دو۔ ریتو دیدی اندر بند ہیں۔" اس سے پہلے کہ دروازہ کھلتا۔ اس کی چاچی بھی ادھر ہی آگئیں اور وہ دونوں باتیں کرنے لگیں۔ چاچی کامنی کی ماں سے کہنے لگیں۔ "کہ کتنے شرم کی بات ہے۔ نو سال پہلے گھر سے بھاگے ہوئے جوڑوں کی آج برادری اور سماج کے سامنے شادی کا ہو رہا ہے۔ جب کہ ان کے تین بچے بھی ہو گئے ہیں۔ ہائے رام کیسا زمانہ آگیا؟"

"ٹھیک ہے بہن۔ کہیں ایسی بھی شادی ہوتی ہے پہلے گھر سے بھاگے۔ برادری سے نکالے گئے۔ بچے پیدا ہوئے۔ معافی مانگ کر پھر برادری میں شامل ہو گئے۔"

ابھی یہ دونوں باتیں ہی کر رہی تھیں کہ تبھی چاچی بھی آگئیں اور کاکی کی بات سن کر بولیں ـــــ "سماج سے بغاوت کر کے کوئی عزت کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ سچ ہے کہ جوانی کی بھول کا پرائشچت آج ہو رہا ہے۔ انہوں نے برادری سے معافی مانگ کر بھگوان کو خوش کر لیا۔ برادری اور سماج جسے معاف کر دیتا ہے بھگوان بھی معاف کر دیتا ہے۔ اپرادھی اگر سچے دل سے اپنے پاپ کی معافی مانگ لے تو پاپ دھل جاتا ہے اور آدمی پوتر ہو جاتا ہے۔"

اس کا ننھا سا ذہن ان کی باتیں سمجھنے سے قاصر تھا۔ ان الجھے سوالوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اس کی ممی اور پاپا کی شادی ہو رہی ہے۔

اس کی چاچی بھی کے ساتھ پنڈال میں چلی گئیں۔ جہاں باراتی کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے جاتے ہی کامنی کی ممی نے دروازہ کھول دیا اور کامنی اس سے دوڑ کر لپٹ گئی۔ جانے کیا اس کے ذہن میں آیا کہ وہ کامنی سے لپٹ کر سسک پڑی اور اسے روتا دیکھ کر معصوم نینو اور ننھا راجو بھی رونے لگے۔

غزل

وقت عجب عجب طرح امتحاں ہمارا لے
رات کی سیاہی دے، صبح کا ستارا لے

خشک خشک صورتیں، خام خام مورتیں
کون اس جہاں میں زندگی دوبارا لے

اجنبی ہے سرزمیں تو، تو اجنبی نہ رہ
کوئی نقش اتار دے، کوئی استعارا لے

بہہ گیا تو جائے گا پانیوں کے غار میں
کوئی شاخ تھام لے، کوئی تو کنارا لے

چشم نقش کار میں التزام رنگ کر
صبح کو حصار کر، شام سے نظارا لے

کاشف بہرائچی

مختصر تعارف

نام : وہاج الحق

تخلص : کاشف

(کاشف بہرائچ اپنے والد کی نسبت سے)

پیشہ : انسپکٹر، یوپی پولیس

تعلیم : بی اے ۔ ایل ایل بی

شوق : کتب بینی

صنف سخن : غزل پسند کرتا ہوں۔

غزل

مرا چہرہ نہ اتنا زرد ہوتا
اگر اک شخص بھی ہمدرد ہوتا

ہٹا دیتا وہ ان راہوں سے پتھر
یہاں ایسا بھی کوئی فرد ہوتا

میں تو دردِ مجسم بن چکا ہوں
ترے سینے میں بھی کچھ درد ہوتا

جو ہوتے تم مری حالت پہ غمگیں
وہ بھی میرے لئے اک درد ہوتا

سجا لیتا ترے موتی سے آنسو
میں ترے راستے کی گرد ہوتا

مری آہوں سے اک شعلہ بھڑکتا
اگر موسم ذرا سا سرد ہوتا

نہ جاتا اس طرح گلشن سے کاشف
اگر گلچیں ذرا ہمدرد ہوتا

کاشف جنگ

نکہت گل ہو جام ہو خم ہو
ہائے کیسی اداؤں میں تم ہو

اس تصور کی آبرو ہم ہیں
جس تصور میں شام سے تم ہو

ایک مدت ہوئی نگاہ ملے
تم ابھی تک سوال میں گم ہو

مثل شبنم ہو عارض گل پر
آج کیسے لباس میں تم ہو

داستاں کی رہی ہے سب دنیا
صاحب داستاں مگر تم ہو

مجھ کو حیرت ہے دیر سے کاشف
پھول ہے خواب یا تم ہو

غزلیں

تم محبت کے قرینے دیکھو
میری پلکوں پہ نگینے دیکھو

آج گزرا ہے گلستاں سے کوئی
رخ پہ پھولوں کے پسینے دیکھو

برق چمکی ہے گھٹاؤں میں ابھی
جام توڑا ہے کسی نے دیکھو

ان کی یادوں کو چھپا رکھا ہے
میرے سینے کے دفینے دیکھو

نبض دوراں کو سمجھنے کے لئے
ان کی زلفوں کے قرینے دیکھو

اس کی مخمور نگاہی کاشف
ہم چلے شام سے پینے دیکھو

قارئین

سواد و صوت

ممتاز احمد خاں ——— پاکستان

اُمید ہے کہ آپ بخیریت سے ہوں گے۔
آج کل " آہنگ " بے قاعدہ چل رہا ہے۔ کیا وجہ ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ یا دیگر مصروفیات چل رہی ہیں۔

احمد یوسف صاحب آج کل یہیں پر ہیں۔ شاید دسمبر کے آخر میں واپسی ہوگی۔

' آہنگ ' کے ذریعے آپ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ کاش آپ بھی یہاں آجائیں۔

انجم لعل ——— لکھنؤ

اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔
ادب لطیف کے گولڈن جوبلی نمبر کے لئے کوئی شاہ کار مقالہ براہِ راست بھجوا دیجئے۔ پتہ یہ ہے:
صدیقہ بیگم ' مدیرہ ' ادب لطیف '
III گلبرگ 33 . C - III
لاہور 11 پاکستان

کبھی کبھی خط لکھا کریں۔
حیدر امام گرم تو چپکے سے چل دیئے!
دل افسردہ ہے۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ ——— کلکتہ

آپ کی مہربانی ہے کہ آہنگ مل جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج تک میں کچھ تو د " آہنگ " کے لئے لکھ نہ سکا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں بہت کم لکھنے والوں میں سے ہوں۔ لیکن ادبی تعلقات کا میدان وسیع ہے اور بہت سے ساتھی مجھے اپنے مضامین نظم و نثر بھیج دیتے ہیں۔ لہٰذا ایک کام کر سکتا ہوں اور وہ یہ کہ جب اچھے مضامین آجائیں تو آپ کو روانہ کر دوں۔ اس وقت دو ایسے مضامین میرے یہاں ہیں اور یہ دونوں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ایک مسز اُم سلمیٰ کا ہے۔ محترمہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی و اردو سے منسلک ہیں اور دوسرا مضمون مسز سوتی سرن کیف کا ہے۔ آپ کا تعلق ان دنوں انگریزی اخبار " پاینیر " بنارس سے ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں مضامین آپ کو پسند آئیں گے۔ میں نے سلمیٰ صاحبہ اور کیف صاحب کو اطلاع دی ہے کہ میں ان کے یہ مضامین آپ کو بھیج چکا ہوں۔

شمیم فاروقی ——— پٹنہ

گیا میں آپ نہیں مل سکے۔ بھابھی نے بڑے پیار سے کھانا کھلایا۔ نہیں تو میں سارا دن بھوکا ہی رہ جاتا۔ اللہ آپ لوگوں کا سایۂ شفقت قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

بھابھی نے غیاث بھائی کے گزر جانے کی اطلاع دی۔ بھابھی سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ غیاث بھائی سے میری ملاقات آپ ہی کے وساطت سے ہوئی تھی۔ آپ کو وہ بے حد عزیز تھے۔ میں جانتا ہوں کہ غیاث بھائی کی ہلکی سی رنجش بھی آپ کو کس قدر پریشان کر دیا کرتی تھی۔ آپ نے کتنے صدمے جھیلے ہیں بھیا۔ آپ کتنے بڑے فنکار ہیں۔ کتنا بڑا دل رکھتے ہیں۔ کاش کوئی آپ کے دل کے اندر جھانک سکتا۔ آپ بہت گہرے ہیں بھیا۔ اللہ آپ کو ہر غم سہنے کا حوصلہ دے۔ دل کی بستی اجڑتی جا رہی ہے۔

دل بہت گھبرا رہا ہے بھیا۔

[illegible] شائع ہوئی
[illegible] سخن ہائی
[illegible] ناموں
[illegible] شائع ہوئی
[illegible] آہنگ کا ایک خاص نمبر آپ ہی نکال سکیں
گی [illegible] حق ادا کر سکتے ہیں۔
[illegible] نہیں کر سکتا۔

[illegible] ____ علی گڑھ

آہنگ کا خاص نمبر "غالب اور دلاوری" درکار ہے [illegible] نہیں ملا۔ ارسال فرمائیے۔

[illegible] زمانہ ہو گیا ہے۔ آئندہ مندرجہ ذیل پتہ پر [illegible] رسالہ [illegible] ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

[illegible] ایک صاحب تشریف لائے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ آہنگ بند ہو گیا ہے اور آپ نے اپنا پریس [illegible] کر دیا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ "آہنگ" [illegible] کا ایک اچھا اور منفرد رسالہ ہے۔ ایسے رسالے کا بند ہو جانا واقعی زبان و ادب کے لئے بد شگون ہے۔

[illegible] شمارے کو دیکھ کر مسرت ہوئی۔

ایک غزل ارسال کر رہا ہوں۔ پسند آئے تو [illegible] اشاعت کر لیجئے۔

ڈاکٹر [illegible] رحمان اکولوی ____ اکولہ

گرامی نامہ مل گیا تھا۔ اکولہ سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس لئے رسید میں تاخیر ہو گئی۔ معذرت خواہ ہوں۔

یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ آہنگ بحران کا شکار ہو گیا ہے۔ آہنگ کے سلسلے میں اگر میں کچھ کر سکوں تو مجھے انتہائی [illegible] ہوگی۔ اس لئے آپ بلا تکلف [illegible] اور [illegible] سے معلوم کیجئے کہ میں آہنگ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

[illegible] ____

آپ [illegible]
ایک [illegible]
فرمائیں۔

میرا مجموعہ "تحلیل" شائع ہو گیا ہے [illegible] ڈاک سے آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ اس التماس کے ساتھ [illegible] رائے سے نوازیں۔ بعد خلوص و احترام۔

ہیرانند سوز ____ فرید آباد

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ یاد آوری اور کرم فرمائی کا شکریہ۔ یہ اطلاع پا کر افسوس ہوا کہ [illegible] آہنگ جیسے علمی اور ادبی جریدے اپنی اشاعت میں [illegible] کر رہے ہیں۔ مجھے آپ کی بلند حوصلگی پر پورا یقین ہے کہ آپ ان مشکلات کو پار کر لیں گے اور دونوں پرچے [illegible] پر آجائیں گے۔ [illegible] آپ کی خدمات [illegible] فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ پچھلی کتنی ہی دہائیوں سے میں اردو کے تئیں آپ کی [illegible] کاوشوں کو دیکھتا آ رہا ہوں۔ [illegible] میں کردار بھوپال میں چھپا آپ کا افسانہ [illegible] میرے ذہن میں موجود ہے۔ آپ کی [illegible] نہیں جا سکتی۔ ایسا میرا یقین ہے۔ [illegible] آپ [illegible] ہوں گے۔

تبصرے

نام کتاب : بارش سنگ (ناول)
مصنف : جیلانی بانو
قیمت : چالیس روپے
پبلشر : اردو مرکز ۱۷۸ اے معظم پورہ
حیدر آباد

سنہ اشاعت : ۱۹۸۵ء

"ایوان غزل" (ناول) کی شہرت یافتہ مصنفہ محترمہ جیلانی بانو کا یہ نیا ناول اردو میں ناولوں کی کمی کو کم کرتا ہے۔
[illegible] ، سہیل عظیم آبادی مرحوم کے رسالے 'تہذیب' میں ان کے معاون کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ وہ بھی ایک زمانہ تھا ——— سہیل بھائی نئے لکھنے والوں کے ساتھ عملی تعاون کیا کرتے تھے، اُن کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ جیلانی بانو نے 'تہذیب' میں بھی لکھا۔ ہم نوجوان تھے اور آگے دیکھ سکتے تھے۔

ہمارے رہبر سجاد ظہیر تھے، مخدوم تھے، فیض تھے، سردار تھے، کرشن تھے، کیفی تھے ———

اور تلنگانہ ظہور پذیر ہوا ——— تلنگانہ ہم سے دور تھا مگر جیلانی بانو کے قریب تھا۔ انہوں نے جاگیردارانہ نظام کی کشمکش [illegible] کرتا ہوا جیلانی بانو نے دیکھا تھا۔

'بارش سنگ' لکھنے کا حق اُن کو ہی پہنچتا تھا مگر حق ادا کرنا بھی تو آنا چاہئے۔ ورنہ پدم شری حاصل کر کے لندن میں ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جوبلی منانے والے بلیغ P.R.O قسم کے لوگ بھی دہائی میں V.V.I.P بن کر ادب میں بھی در آنے کی کوشش میں مبتلا ہیں ——— دہائی ہے یارب

جیلانی بانو نے ادب میں مقام اور مرتبہ پانے کے لئے [illegible] نہیں چاہی، عورتوں کی آزادی کے نام پہ مرد [illegible] کی سعی نہیں کی ———

اردو میں تین خواتین کے نام احترام کے لئے ساتھ لئے جاتے رہیں گے 'عصمت'، قرۃ العین حیدر اور جیلانی بانو ——— ان ناموں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے، لیکن میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ رجحان بنانے والوں میں یہ تین نام ممتاز تر ہیں۔

حیدر آباد کے دیہات اور اُس کے کسان اور دوسرے پیشے کے لوگ اس ناول میں یوں آئے ہیں کہ جیلانی تا عمر کچھ بتا سکے گی وہاں یہ ناول گویا ہو گا۔

——— کلام حیدری

[illegible] گیا

نام کتاب : لے سانس بھی آہستہ (شعری مجموعہ)
شاعر : شاہد احمد شعیب
پتہ : نشیمن شاہدی، ۴۲ پارک روڈ، گیا
قیمت : اکیاون روپے

جناب جمیل جالبی نے اس شعری مجموعہ کے بارے میں کہا ہے :

" آپ کا مجموعۂ کلام 'لے سانس بھی آہستہ' نظر سے گزرا۔ اب تک جتنی نظمیں پڑھی ہیں، اُن سے ایک بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ میں شعر گوئی کی بہترین صلاحیت ہے اور آپ کا کلام دوسروں سے الگ معلوم ہوتا ہے — "

جناب جمیل جالبی نے شاہد احمد شعیب کا کلام پڑھا ہے اور اُن کی شاعری کو دوسروں سے الگ بتایا ہے۔ جمیل جالبی معتبر ادبی شخصیت کا نام ہے۔ میں نے شاہد کے کلام کو پڑھا ہے اور اسکی شخصیت کو بھی پڑھا ہے۔ وہ آدمی کی حیثیت سے بھی دوسروں سے یوں مختلف ہے کہ وہ جتنا پڑھا لکھا ہے اتنا لگتا نہیں، [illegible] نہیں کہ [illegible] پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھتا ہے، سیاسیات پڑھاتا ہے، ادب پڑھتا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہے مگر ڈگ لمبے ہوتے ہیں۔ اس لئے اوروں سے آگے نکل جاتا ہے۔ بعض اردو کے پروفیسر ارد گرد کی دنیا سے بے خبر اور دوسرے سماجی علوم سے بے بہرہ رہ کر کتابوں پر کتابیں چھپواتے چلے جاتے ہیں، ایسے پروفیسروں کی طرح وہ ادبی اصطلاحات کی ڈکشنری میں دفن نہیں ہوا ہے۔ اس کی شاعری میں موضوعات کا تنوع توجہ طلب ہے، ساہتیہ یا اردو اکیڈمی کا ایوارڈ اُسے نہیں مل سکتا۔ حالانکہ میری دُعا اُس کے حق میں ہے۔ اردو ادب کے مستقبل میں ایوارڈ پانے والوں میں بھی شاید ہی

[illegible] ڈاکٹر [illegible] نے [illegible] کہا اور [illegible] ہے کہ میں اُن کے آگے [illegible] کی شاعری [illegible] کیا عرض کروں!
اُن کی شاعری کو [illegible] کی زبان کہا جا سکتا ہے۔"
میں اصرار کرتا ہوں کہ کہا جا سکتا ہے نہیں بلکہ کہا جاتا

——— کلام حیدری

بارہ خاکوں کا مجموعہ

یہ لوگ

از

ڈاکٹر محمود مستی

قیمت : ۱۸/ روپے

ملنے کا پتہ

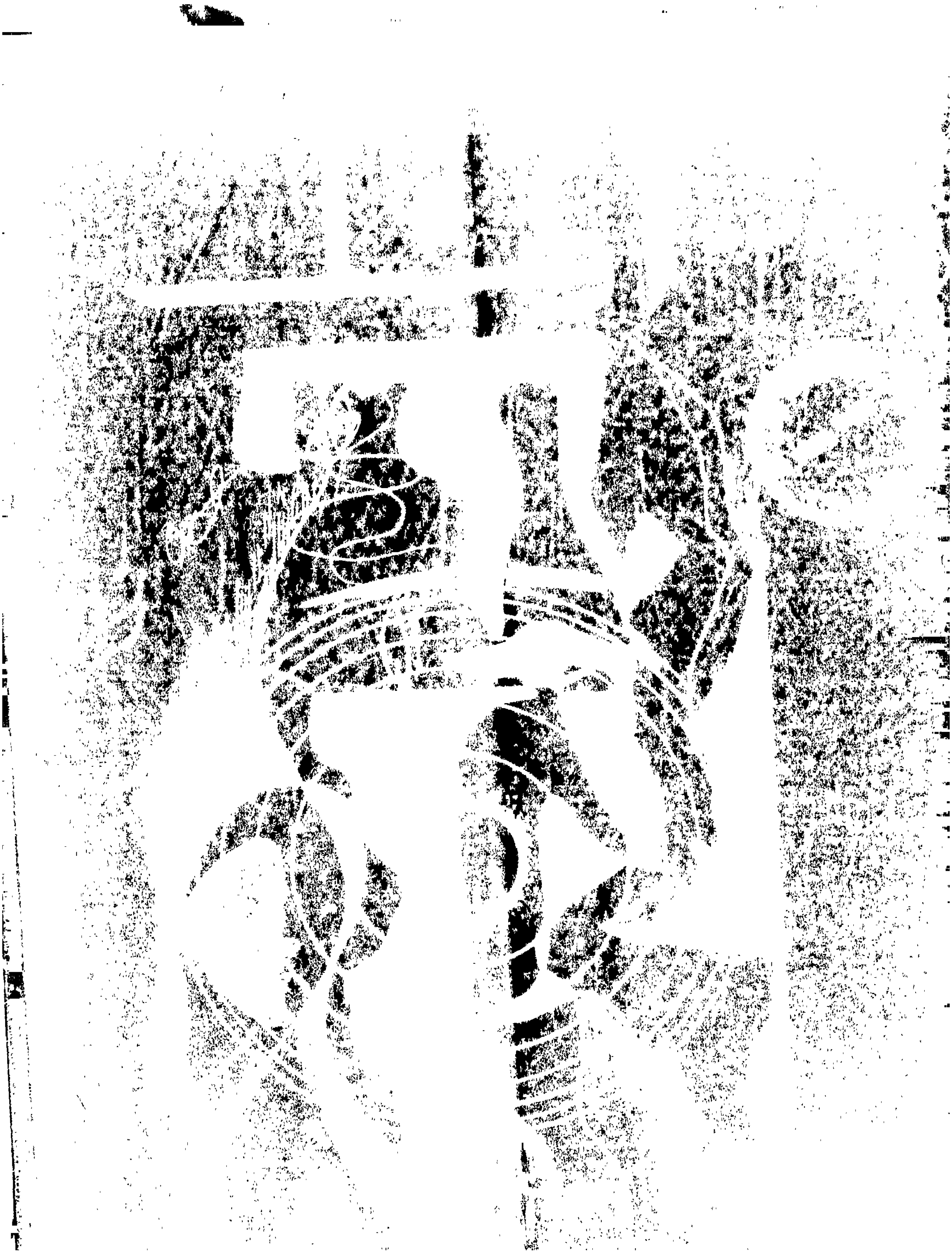
دی کلچرل اکیڈمی (رجسٹرڈ) [illegible] روڈ، گیا

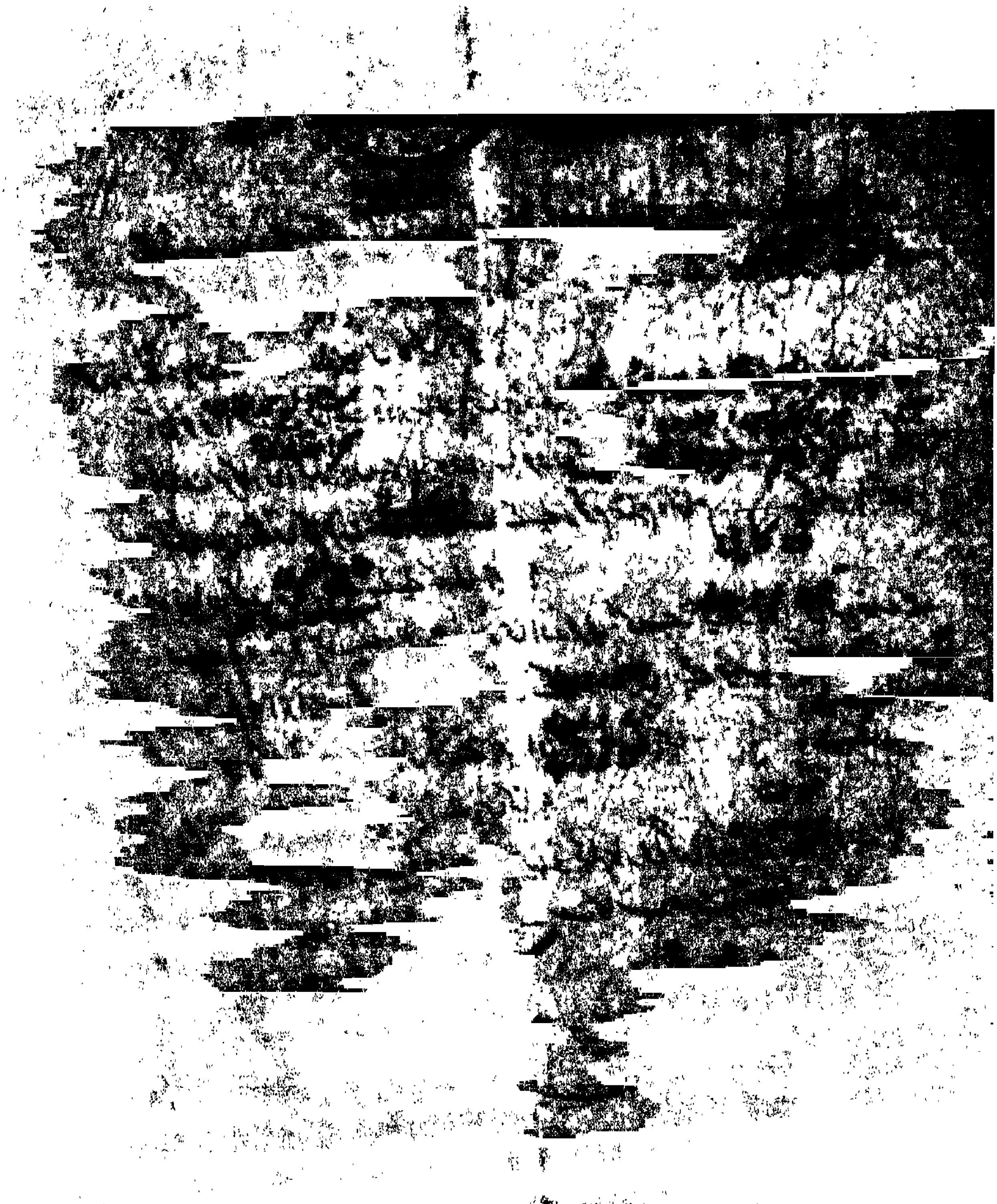
Regd. 4753/64
Regd No. Gy 565
– 20432

The Aahang Urdu Monthly
BAIRAGI, GAYA.



The Cultural Academy (Regd.) GAYA.





[illegible]

[illegible]

مجھے اُردو ساہل کے مستقبل کے بارے میں کوئی خوش فہمی [illegible] اور [illegible] کیا مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ [illegible] میں مبتلا ہوں۔ کیوں کہ جس ملک [illegible] محو تماشہ ہو وہاں مریضوں اور مسائل کا کیا ذکر؟

آدھ فوٹو آفسیٹ پر ایک دو رسالے، چند بڑے اخباروں سے [illegible] چھاپی گئی کتابیں، مختلف سرکاری اکیڈمیوں سے ادیبوں، شاعروں کو کتابیں چھاپنے کے لیے چند [illegible] امداد، کتابوں پر [illegible] کی طرح [illegible] کے لیے رقوم بنام انعام ——— کیا یہ باتیں کسی زندہ زبان کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں؟

ویسے تو زندہ ہمارے وطن میں فارسی اور عربی بھی ہے۔ کیا اردو اسی سرد خانے میں لے جائی جا رہی ہے؟ اندازہ لگانے والے مستقبل کے بارے میں اچھے خواب دیکھتے ہیں [illegible] ہر قدم پر سیاسی رکاوٹوں سے بار بار ٹوٹتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں۔

ہم نا لندہ جیسی تاریخ بننے والے ہیں کیا؟

ہم جو ہندوستان کو جنت نشان کہتے ہیں تو کیا ہماری گویائی، ہمارے حروف، ہمارے الفاظ، ہماری تہذیب، ہمارا ورثہ ——— سب کا سب صرف اتنا کہہ دینے سے محفوظ ہو سکتا ہے؟

اتنا کچھ اس [illegible] ہیں کہ آپ [illegible] ہماری فکر کا اندازہ کر سکیں اور ہماری بے عملی اور انفعالی کیفیت کا اندازہ کر سکیں۔

[illegible]

[illegible] مخلوط — ڈاکٹر گیان چند

[illegible]

ستمبر ۱۹۹۸ء کے آہنگ میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کا ایک مضمون "دو [illegible]" [illegible]
اس سلسلے میں وہ بہت سے شکریے کا مستحق ہے۔ میں نے اپنا [illegible]
کیا ہے جس نے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو ۱۱ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ایک خط لکھا تھا جو "نقوش" [illegible]
[illegible] ۱۹۹۶ء [illegible] ۲۶۲ پر شائع ہوا۔ اس میں میں نے لکھا تھا۔

اب اس [illegible] مضمون کا نہیں۔ لسانیات سے جی بھر گیا۔ [illegible]
اب ان میں اضافہ نہیں [illegible] جس کے معنی رفتہ رفتہ [illegible] ختم ہو جانے کے [illegible]
بیچ میں [illegible] لسانیات کی دو [illegible] سے متعلق کچھ لکھا ہے لیکن [illegible]

۱۹۹۵ء میں ان کا ایک مضمون "اردو کے ہم صوت حروف" پر آیا ہے۔ اسے دیکھ کر میں نے [illegible] ایک
مختصر تبصرہ عرض کر دوں۔

ضروری نہیں کہ دوسرے مجھ سے اتفاق کریں لیکن میرا عقیدہ ہے کہ جب تک [illegible]
[illegible] حروف [illegible] کر دینے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ڈاکٹر ابو محمد [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] ماہرِ لسانیات [illegible]

[illegible] MOVEMENT OF HUMAN [illegible]

[illegible]

[illegible] ہندوستان [illegible] دو [illegible] حرف

[illegible] (STOP) [illegible] ان کے پہلے چار حروف بندشی

[illegible] ہیں۔ ان کا پہلا حرف [illegible] بندشی [illegible] ہے۔ دوسرا حرف اس کی ہکاری صورت ہے۔ تیسرا

[illegible] ہکاری [illegible]

[illegible]

[illegible] ک ، گ ، ت ، د ، [illegible] حرف

[illegible] ادا کرتے وقت [illegible] وغیرہ کو ادا کرتے

وقت [illegible] (V O I C E) [illegible] کی مدد سے

[illegible] بالکل [illegible] نہیں [illegible] واضح [illegible] معلوم کرنا

[illegible] ہیں۔

[illegible] علاوہ [illegible] درست ہے۔ [illegible]

انگریزی لفظ کلب (C L U B) میں دیکھیے کہ ان مصوتوں کی آواز کس طرح مختلف ہو جاتی ہے۔ [illegible]

[illegible] کی زبان میں [illegible] ہیں۔ عام انگریزی

[illegible]

[illegible] ماہرین لسانیات کی رائے ہو یا [illegible]

[illegible] ہیں۔ [illegible]

[illegible]

... مصوتوں کی سب سے اہم خصوصیت ... [illegible] ہیں۔

پ، ب، ت، ٹ، ش، ڈ، ... ک، گ

اگرچہ ہ، ء کا تعلق ایک دوسری نوع (ایفریکیٹ) سے ہے لیکن یہ قسم بند مخرجوں سے اتنی مماثل ہے کہ انہیں بھی بندشوں کے ساتھ شمار کر سکتے ہیں۔ ان دس [illegible] کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے ... [illegible] سمجھا جاتا ہے۔ ان دس مصمتوں کے علاوہ [illegible] ساتھ، پھر بعد ہکاریت [illegible]

م، ن، ل، ر، ڑ، ذ (صرف ایک [illegible] جب کہ ذ جب بدل دیا جائے) کا مکمل ادغام نہیں بلکہ وہ مصمتے کی ادائیگی کے آخر میں شروع ہو کر بعد میں آزاد طریقے پر جاری رہتی ہے۔ [illegible] اور دھا کو دیکھئے کیا نہ [illegible] ادغام ہے ... ہیں۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری حرف و صوت کے فرق سے نا واقف تھے۔ انہوں نے آ، یا نیز ہ، ء وغیرہ کو علیحدہ صوتیے قرار دیتے ہوئے کچھ حروف ہی بتائے ہیں۔ [illegible] وہ صوتیات کی الجھن سے بھی واقف تھے کہ نہیں؟ انہوں نے صوتیات کتاب [illegible] استادے نہیں۔ [illegible] پر نظر رکھتے تھے۔ [illegible]

آج تک کوئی ایسی تحقیق ایجاد نہیں ہوئی جو ان دونوں میں کسی قسم کا فرق و امتیاز دکھائے اور یہ بتائے کہ [illegible] الجھن کا [illegible]

مشتبہ آوازوں کی خصوصیات تک معلوم [illegible] کہ محض بغیر حرکت [illegible] اور [illegible] مرکب آوازیں ہیں [illegible]

[illegible]

۱؎ ڈاکٹر شوکت سبزواری: اردو کے صوتیے۔ اردو نامہ شمارہ ۱۵ [illegible] ص ۱۲۲

۲؎ ایضاً ص ۲۰

[illegible]

[illegible] طلباء کی تعلیم سے اس لیے متفق ہوں کہ ضروریات اس کی تاکید کرتی ہے۔

[redacted] [illegible] مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۶[illegible]ء [illegible]

بقیہ: [illegible]

امرات اپنی خطابت [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[redacted]

[illegible]

[redacted]

[illegible]

[illegible]

اردو کے لیے تنہا محمد طفیل نے جتنے اعلیٰ معیار کے کام کیے وہ کتاب [illegible]

[illegible]

طفیل جیسا ابھرے یہ ہماری تمنا اور دعا ہے

[illegible]

[illegible] ہے تم لوگ محمد طفیل کے [illegible]

[illegible] ہم اپنے اس قومی ادارے [illegible]

[illegible]

[illegible] چاہتا [illegible] جب [illegible]

[illegible] اور [illegible] ہے وہ ہو کر رہتا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب نے تحریک شاعری کی کچھ [illegible] بہت [illegible]

[illegible] ہے۔ ان کے [illegible]

[illegible] صاحب کی دو [illegible] نقوش [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کتاب شائع نہیں ہوئی۔

[illegible] کے کام میں [illegible] مصروف تھے۔ [illegible]

خلیل صاحب نقوش کی ادارت کے ساتھ ساتھ معاصر ادبا کے خاکے بھی لکھتے رہتے تھے اور یہ خاکے رسالے کی [illegible] خاکہ نگاری [illegible] تخلیقی [illegible] طنز و مزاح کی ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] دالی تھی [illegible] نکال دیے گئے - مگر بہت سے ان [illegible] دفتر [illegible] کے [illegible]

[illegible] ہوتے تھے اور آتے تھے کام [illegible]

[illegible] جائے گا ار ڈر دے کر آ سکتا [illegible]

ساتھ [illegible] کام بھی کرتے رہتے تھے -

[illegible] صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی تھے - ان بہت سی خوبیوں میں [illegible] کام بھی کرنا ہو تا [illegible] پہلے اس کا منصوبہ مکمل کر دیتے تھے - اور پھر اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے [illegible] کر سکتے -

ہر کام [illegible] راز دار [illegible] کا [illegible] [illegible] مشغول ہو [illegible] عمل دخل نہیں تھا - دوسری خوبی یہ کہ ایک [illegible] زندگی بھر کام کیا تھا ، جدوجہد کی تھی اور ان کی زندگی [illegible] جدوجہد [illegible]

آج ہم محمد طفیل کو رو رہے ہیں [illegible] طفیل [illegible]
جو طفیل صاحب کے ساتھ اور طفیل صاحب [illegible]
ایک ماحول ، پوری ایک فضا اور زندگی کی [illegible]

کلام حیدری [illegible] [illegible]

[illegible]

الف لام میم [illegible]

[illegible]

کھوکھلی اقدار کی کہانی

ممتاز احمد خان (پاکستان)

"[illegible] بحیثیت [illegible] افسانہ نگار [illegible] ادب میں [illegible] "آنگن"
[illegible] ہی موضوع [illegible] افسانہ نگار کی حیثیت [illegible]
زیادہ بڑی حیثیت کی مالک ہو گئیں اور یہ وقت جب کہ وہ [illegible]
[illegible] بات بلا تردد کہی جا سکتی ہے کہ [illegible] افسانہ نگار [illegible]
"آنگن" کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں برصغیر کی تہذیب [illegible] فسادات سے قبل [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] پاکستان [illegible]
زیادہ جاذبیت اور [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] ناول [illegible]

[illegible] (WAR AND PEACE) [illegible]

[illegible] ناول کردار [illegible]

[illegible] (ULYSSES) [illegible]

[illegible] ناول ہے۔ [illegible] (TESS [illegible]) کی

اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ جارج ایلیٹ کا ناول ایڈم بیڈ (ADAM BEDE) [illegible]

پسند تھا۔ امریکی ناول نگار [illegible] کا ناول [illegible]

اعتبار سے بڑا ناول قرار دیا گیا۔ میرا مطلب دا اولڈ مین اینڈ دا سی (THE OLD MAN AND THE

SEA) سے تھا۔ ٹامس مان کا ناول دا ہولی سنر (THE HOLY SINNER) بہت مقبول ہوا۔

یہ مثالیں تو یورپ سے تھیں۔ اب ذرا برصغیر کی طرف آئیے۔ تو پتہ چلے گا کہ قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" کی [illegible]

[illegible]

اردو ناول [illegible]

[illegible]

[illegible]

شکل بھی ہوتی ہے جہاں انسان اپنی ذات یا اپنی قبیل کے پیش نظر اپنے موقف اور طرز عمل میں لچک پیدا کرنے پر مجبور [illegible]

[illegible]

انقلاب کے بعد فوراً ہی ان کا ہیرو ناظم بڑے سیدھے سبھاؤ پوچھتا ہے کہ آپ نے یہ سب چیزیں [illegible]

[illegible]

[illegible] لیکن حیرت انگیز [illegible]

[illegible] ساجدہ کی طرح [illegible] صاف گو اور نیک فطرت [illegible]

[illegible] ساجدہ سے محبت کی [illegible]

[illegible] انسان [illegible] جبر اور [illegible]

[illegible] تعلیم [illegible] زندگی [illegible]

[illegible]

[illegible] کی حیثیت [illegible]

[illegible] ایک ایسا [illegible] قانونی [illegible] سزا [illegible]

[illegible] ممکن ہے۔

[illegible] مثال کے طور پر [illegible]

[illegible] زوال کا [illegible] جاگیردارانہ معاشرے پر [illegible] امرا [illegible] ہوتے تھے۔ لیکن [illegible]

[illegible] لیکن [illegible] نے [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] نفرت [illegible] آگ لگا دیتی

[illegible] دلچسپ [illegible] رکھتے ہیں [illegible] اس ضمن میں سلیجہ [illegible] کا ذکر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ وہ ساجدہ ہی کی طرح اصول پسند اور بے باک ہے۔ لیکن ایک مرد [illegible] کا جذبہ حاوی ہو گیا ہے۔ وہ [illegible] سے نفرت کرنے لگتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ [illegible] کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کو دراصل [illegible] ہو جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کے ذہن [illegible] صاف طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔

"میں جانتی ہوں ساجدہ بی بی! نفرت دنیا کا بدترین جذبہ ہے۔ دل کے نیچے دب کر انسان کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ پھر بھی مجھ پر نفرت غالب ہے۔ میں اپنی ماں سے نفرت کرتی ہوں، اپنی سگی ماں سے ———"

"زمین" کو پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ عورت ناول نگار کی ہیروئن [illegible] اخلاقی و معاشرتی سطح پر بلند کردار ہوتی ہے۔ یہ بات مرد ناول نگاروں کے بارے میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ [illegible] کی مثالیں دی جا چکی ہیں۔ اس ناول کی [illegible] بھی اسی مثال کے [illegible] فٹ ہو جاتی ہیں۔ [illegible] کے ناول "[illegible] بہاراں" کی ہیروئن تو اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ [illegible] [illegible] ناول [illegible] (PRIDE AND PREJUDICE) [illegible] (WUTHERING HEIGHTS) [illegible]

[illegible] سکیں۔

[illegible]

[illegible] کتا ہے [illegible]
[illegible] مثالیں ہیں جن سے [illegible]
[illegible]
[illegible] نفسیات کے ماہرین سے خالی نظر آتا ہے۔ [illegible] ایک بڑا عیب [illegible]
[illegible] اس کی بات نی نکالی گئی ہے" [illegible] دیتی ہے کہ وہ [illegible]
اور بعد میں [illegible] کہ اس نے [illegible] جس کی وجہ سے وہ حیرت میں [illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible] کہ ایک عورت جو [illegible] ڈرتی ہو اور اس سے دب گئی ہو [illegible] اس کی
[illegible] کہ شاید انہوں نے سوچا ہو کہ [illegible] اپنے [illegible] خواں کے
[illegible] پہنچایا ہے۔ لیکن چونکہ کہانی کا تعلق ایک دوسرے [illegible] ہے اس لیے [illegible] کہانی کے
[illegible] ہو گیا۔

[illegible] کے بعد یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اس ناول میں کہانی کا [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] ایک [illegible] اور [illegible] ہوتا تھا۔ [illegible]
[illegible] ہو جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے [illegible] گہرائی میں [illegible]
[illegible] کا [illegible] سے [illegible] ایک [illegible]

[illegible]

[illegible] جب ... ہی مثال سے ... "آنگن" میں سیاسی واقعات کا محض تذکرہ نہیں تھا بلکہ ایک
... [illegible] ... ایک ... ملتی ہیں ... سیاسی عمل میں ملوث ہونے کی پاداش ... بحث نہیں کرتے کہ آج ... نے قرۃ ... کیا ... زمین" میں سیاسی واقعات کا محض تذکرہ ہے۔ جس ... دولتانہ وزارت کے استعفے ... سے گزرے اس کا بڑا خوب ... محض ... [illegible] ... کی ... سکتی ہیں۔ یہاں ... یا ... کسی کردار کے منہ [illegible] ... ستور ... اپنے ... فن سے قطعاً نظر آتی ہے کہ واقعات کی یکسانیت بہت زیادہ ہے۔ مثال کے طور ... کا بیان ... مناسب سمجھا۔ اس کے علاوہ یہ فنی ... ہر وقت ... میں وحشت ہیں۔ اس کے علاوہ ناول میں ان کا کو ... مالک کے گھر میں ایک ہی جیسی فضا ... ہے۔ ساجدہ ... میں مبتلا ہے یا مالک کے گھر کے چکر لگا لیتی ہے ... زیادہ مصروف نہیں۔ سیمہ ... بیگم ہمیشہ کی طرح تاجی پر زیادتی کر رہا ہے۔ جہاں اماں خاموش ہیں۔ کاظم شروع سے اب تک کی شاکر ... جس کی وجہ ... سلیمہ کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح ... سنبھالے ہوئی ... کا ... [illegible]

[illegible]

"آنگن" [illegible] ... زمین کے ... [illegible] ... میں انہوں نے ایک ... [illegible] ... محسوس ہو ... لیکن یہ حقیقت ہے کہ ... فن کار ان کی روح میں ... [illegible] ... گرفتار کر لیتے ہیں، جذبات کو متحرک کر دیتے ہیں اور احساسات کو ... [illegible] ... تخلیق ... [illegible] ... کی وجہ سے ... [illegible] ... کا ناول ادب کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ یوں جب ہم "آنگن" اور "زمین" ... [illegible] ... بیان" ... [illegible] ... بصیرت کی عام ... کی وجہ سے ادب کے ... سے اوپر نہیں اٹھتے۔ اور ... [illegible]

[illegible]

غزل کی تمکنت

سحر انصاری

کرار نوری اس عہد کے جانے پہچانے شاعر ہیں۔ ان کا پورا نام سید مرزا ہے۔ سید کے ساتھ مرزا ایسا ہی ہے جیسے میرزا "گوپال تفتہ"
کرار نوری غالب کے ایک شاگرد سید آگاہ دہلوی کے پڑپوتے ہیں۔ انہوں نے آگاہ کا ایک قلمی دیوان غالب لائبریری
نئی دہلی میں محفوظ کرا دیا ہے۔ یہ دیوان راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے۔ سید آگاہ کا تذکرہ تناسخ اور تلامذۂ غالب کے مصنف نے
بھی کیا ہے۔ ان کے جد اعلیٰ نواب روشن الدولہ سید مظفر تھے جو عہد محمد شاہ میں میر بخشی تھے۔ سرسید کی آثار الصنادید، تذکرۂ ... کی
... الشاہیر اور مالک رام کی تلامذۂ غالب میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد آگاہ دہلوی جے پور آ گئے تھے۔
... کے بعد کرار نوری کے دادا تک ان کا خاندان جے پور ہی میں رہا۔ پھر دلی میں سکونت اختیار کی۔ کرار نوری کے خاندان کے دوسرے
لوگوں میں سید ظہیر دہلوی اور میر مہدی مجروح کے نام ادبی دنیا میں خاصے معروف ہیں۔

کرار نوری اس خاندانی پس منظر کے باوجود ذاتی طور پر بالکل مختلف حالات کی پیداوار ہیں۔ آگاہ کے بعد ان کے خاندان
میں شاعری کا ذوق باقی تو رہا لیکن ان کے دادا جو وکیل اور ان کے والد جو ٹھیکیدار تھے، شعر نہیں کہتے تھے۔ گویا خاندانی طور پر
آگاہ دہلوی کے بعد کرار نوری کا نام سلسلۂ شاعری کے ضمن میں لیا جا سکتا ہے۔

کرار نوری کلے ٹھلے کے آدمی ہیں۔ چہرے مہرے اور قد و قامت سے ہرگز شاعر معلوم نہیں ہوتے۔ یوں لگتا ہے جیسے
لطیف چھو کر بھی نہ گزری ہو گی۔ لیکن کرار نوری ان افراد میں شامل ہیں جو ظاہر اور باطن کو یکجا رکھنے کے رسمی ...
کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔

یہاں ادب میں جو آپادھاپی مچی ہوئی ہے وہ اتنی مہلت کسی نقاد کو نہیں دیتی کہ ادیب و شاعر اور ... کے
ساتھ کچھ وقت بسر کر سکے اور ان کے ظاہری رنگ روپ کے پردے میں جو کچھ چھپا ہوا ہے اس تک پہنچنے ...
... کرنے کی زحمت اٹھا سکے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ تنقید کا اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔ اس کے جواب میں قاری سے ...
اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

تو کرار نوری وہ نہیں ہیں جو بظاہر وہ نظر آتے ہیں۔ بظاہر وہ ایک تندخو، جھگڑالو اور درشت مزاج ...
دراصل ان میں خلوص، دردمندی اور انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ان کا اندازہ ان سے مل کر ہی ...

ہوتا ہے۔ اس شخصیت کی تعمیر، تشکیل یا شکست و عدم تکمیل میں ان حالات کا دخل ہے جن سے کرار نوری کو گزرنا پڑا ہے۔

کرار نوری کی ابتدائی گھریلو زندگی ایک محروم توجہ بچے کی طرح بسر ہوئی۔ اگرچہ ان کی والدہ حقیقی تھیں لیکن ان کے عمومی سلوک سے نوری صاحب کو ہمیشہ یہ محسوس ہوا جیسے وہ سوتیلی ماں کے دامن میں پرورش پا رہے ہوں۔ انہیں اپنے والد سے بھی وہ روایتی محبت نہیں ملی جس کی انہیں شدت سے خواہش رہی۔ انہیں وہ تعلیم بھی میسر نہیں آئی جو ان کے ہم سنوں کا حصہ تھی۔ گورکی نے شاہراہوں کو اپنی یونیورسٹی قرار دیا ہے کم و بیش یہی بات کرار نوری پر صادق آتی ہے۔ انہوں نے گھر کی روایتی محافظت و محبت سے محروم ہونے کے بعد زندگی کے تجربات سے براہ راست ہی اکتساب علم کیا ہے۔ ان کی زندگی نشیب و فراز اور گرم و سرد کی ایک طویل داستان ہے۔ تقسیم کے بعد غالباً ۱۹۵۳ء میں وہ محنت مزدوری کر چکے ہیں۔ فلیٹ کلب کیماڑی پر انہوں نے ٹوٹے چھپنے کا کام بھی کیا ہے اور وہیں ایک پیپے کے نیچے سویا کرتے تھے۔ وہ اس وقت بھی ایک مشہور شاعر تھے۔ مشاعروں میں لے جانے کے لئے لوگ گھر کا پتہ پوچھتے مگر گھر تو تھا ہی نہیں۔ اس لئے بندر روڈ کے سبحان اللہ ہوٹل پر ملنے کا وعدہ کر لیا کرتے تھے اور واپسی پر فلیٹ کلب کے باہر ... واپسے پر اتر جاتے یا کسی بھی ہوٹل پر ٹھہر جاتے۔ اور آج اس زندگی کو چھپانے یا نادم ہونے کی بجائے فخر محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے عملی طور پر محنت کشوں کے احساسات سے واقفیت حاصل کی۔ ان کا ایک مصرعہ ہے:

دیکھ کے اپنے پاؤں کے چھالے کیا کیا ہم اترائے ہیں

کرار نوری کی زندگی کی یہی تصویر تھی ان کے قریب لے گئی۔ خود ساختہ ہستیوں میں ایک اپنا جادو ہوتا ہے جو کرار نوری میں بھی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ فلیٹ کلب پر تو ٹوٹے چھپنے گئے لیکن ٹوٹ چھپنے ہی نہیں رہ گئے۔ انہوں نے زندگی میں ایک ایسی ترقی کی مثال قائم کی جو بہت سے مایوس دلوں اور محروم ہستیوں کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے۔

اس پس منظر میں کرار نوری ایک ایسی سماجی اکائی نظر آتے ہیں جسے اس کا حق ابتدا ہی سے نہیں ملا۔ محبت اور شفقت سے محرومی نے خلوص و محبت کا متلاشی بنا دیا۔ بے گھرے پن نے ابتدا میں والدین کے حوالے سے اور بعد میں شریک حیات کی نسبت سے ایک مستقل کیفیت کرب کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہی حالات ان کی ذہنی اور نفسیاتی افتاد کا اولین محرک ثابت ہوئے اور ان حالات سے پیدا ہونے والے خیالات و محسوسات کے اظہار کا ایک ہی راستہ تھا۔

خودکلامی ... جس کا ایک روپ شاعری بھی ہے۔ ویسے کرار نوری کی شاعری میں خود کلامی کا حقیقی عنصر بہت بعد میں شامل ہوا کیونکہ شاعر کو اکثر اوقات اپنے عہد کے مروجہ روش سے آغاز کرنا پڑتا ہے اور بالفعل انفرادی اظہار تک آتے آتے ... مروجہ روایتی اور رسمی ... کی نذر ہو رہا ہوتا ہے۔

کرار نوری نے غزل سے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ یوں تو ۱۹۳۰ء میں ایک آدھ غزل کہہ لی تھی۔ مگر ۱۹۳۸ء تک وہ باقاعدہ نہیں کہنے لگے تھے۔ لیکن شاعر نہیں مانے جاتے تھے بلکہ لوگ انہیں ہاکی کے کھلاڑی کی حیثیت سے جانتے تھے۔

۱۹۰۹ء میں جب وہ ملازم ہوئے تو قرول باغ میں قیام رہنے لگا۔ دفتر اور ہاکی گراؤنڈ کے درمیان کہیں شاعر بھی تھا جس کا انہیں ابھی کوئی اندازہ نہ تھا۔ البتہ اس زمانے میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ وہ دوست کے ایک ...

رہتے تھے۔ جہاں بیدار [illegible] بقیت [illegible] محفل آرا رہتے تھے۔ دہلی [illegible] دہلوی اور شمس [illegible] جیسی معاصر یا حریف کی حیثیت [illegible] لیکن [illegible] سے کرتے تھے۔ [illegible] اسی طرح قائم ہے۔

اس [illegible] اساتذہ [illegible] دہلوی [illegible] پنڈت امرناتھ ساحر اور [illegible] شاہ جہاں پوری زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ [illegible] دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ [illegible] اطمینان میسر آیا۔ [illegible] دہلوی [illegible] کی نظروں میں قربت [illegible] حاصل کرتے جا رہے ہیں جس کے نزدیک الفاظ اور [illegible] کے بعد گلزار نوری اس نتیجے پر پہنچے کہ مطالعہ اور [illegible] زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ [illegible] اور [illegible] کی طرف مائل ہوئے۔ پھر "نکات سخن" جیسی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اس طرح شاعری [illegible] کا اندازہ ہوا۔ اور ذاتی طور پر اپنی شاعری میں احتیاط برتنے لگے کہ جہاں تک ہو سکے کسی [illegible] نہ رہ جائے۔

[illegible] اس [illegible] میں آنے لگے [illegible] جاری رہا۔ [illegible] اس وقت تک [illegible] سے [illegible] "باقیات [illegible]" [illegible] اور یگانہ کی "غالب شکن" جیسی تحریریں پسند آئیں۔

جوش ملیح آبادی کا مطالعہ [illegible] کیا۔ [illegible] بہت پسند آئی۔ یہاں تک کہ ان کا رنگ سخن بھی شعوری طور پر قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک نظم "آنسو" [illegible] تو انہوں نے کہا کہ "بے وقوف بنا تا ہے۔ جوش کی نظم کو [illegible] کر سناتا ہے" [illegible] کی باتوں سے حوصلہ افزائی ہوئی [illegible] کوشش [illegible] نہیں جا رہی ہے۔

اسی زمانے میں گلزار نوری نثر نگاری کی طرف مائل ہوئے۔ انہوں نے دو تنقیدی مضامین لکھے۔ ایک "جگر سوختہ" [illegible] میں ظاہر کیا گیا تھا کہ جب جگر دل کے انداز میں کہتے ہیں تو [illegible] کی نوعیت اور رنگ کیسا ہوتا ہے۔ دوسرا "معشوق" [illegible] تھا [illegible] میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جب دلی جگر جیسی رنگین [illegible] ہیں تو ان کا انداز سخن کیسا ہوتا ہے۔

چوتھی دہائی کا یہ زمانہ مجموعی طور پر ہنگاموں کا تھا۔ [illegible] اور سیاسی و سماجی بیداری کا زمانہ تھا۔ ایک طرف انگریزی حکومت کے خلاف ہر قسم کا احتجاج جاری تھا۔ دوسری طرف ترقی پسند تحریک زوروں پر تھی۔ ادب میں سیاسی اور سماجی شعور کا در آنا ایک فطری [illegible] تھا اور حالات کے عین مطابق تھا۔ اس وقت شاعری [illegible] افسانہ، ناول اور تنقید میں جو نقطۂ نظر پیش کیا جا رہا تھا وہ پورے عہد کے لئے ایک نئے انداز حیات اور طرز احساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ گلزار نوری بھی ان دونوں تحریکوں سے متاثر ہوئے۔ تحریک آزادی سے وابستگی [illegible] اس وقت کی بعض نظموں میں نمایاں ہے۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات اب تک ان کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ اختر حسین رائے پوری کی "[illegible]" اور [illegible] انقلاب "اور اختر انصاری دہلوی کی "افادی ادب" جیسی کتابوں سے ان کے VISION میں تبدیلی ہوئی۔ انہیں [illegible] کے بارے میں سائنسی انداز میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا شوق ہوا اور یہ انہماک ایک کل وقتی جنون کی صورت اختیار کر گیا۔

جذبی کے علاوہ دہلی میں اس وقت [illegible] بریلوی [illegible] سے بھی ہوتی تھی۔

گویا وہ اپنے عہد کے ترقی پسند اور [illegible] ترقی [illegible] [illegible] [illegible]

اس ماحول نے کرار نوری کے ادبی شعور کو [illegible] [illegible] [illegible] اہم ہے کہ کرار نوری کا [illegible] اس وقت [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] سے کوئی خاص [illegible] نہیں رہا۔

[illegible] دیکھتے ہی دیکھتے [illegible] [illegible] [illegible] کا سارا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رہا تھا۔

[illegible] ایک [illegible] ہوئے۔ ان کا [illegible] [illegible] [illegible] میں رہا پھر وہ اولپنڈی [illegible] [illegible] پھر کراچی آکر [illegible] گئے۔ تاہم اس زمانے میں بھی [illegible] [illegible] انہیں احساس ہو کہ [illegible] کو وہ [illegible] [illegible] [illegible] ترک [illegible] چنانچہ انہوں نے [illegible] [illegible] اور اس [illegible] [illegible] [illegible] دردوں کو بھی چھپاتے ہیں کہ کسی کو شبہ یا مغالطہ نہ ہو جائے۔

کرار نوری کے یہاں احساس تنہائی ایک فطری عنصر کی حیثیت سے [illegible] ہی سے موجود ہے۔ اس پس منظر میں یہ اندازہ کرنا بہت آسان ہے کہ [illegible] تنہائی [illegible] اس کے متعلقات کا [illegible] جدید [illegible] میں نہیں کیا ہے بلکہ یہ ان کی حقیقی [illegible] ذاتی زندگی [illegible] [illegible] کرار نوری اس احساس تنہائی کو اپنی [illegible] بے نیازی اور شراب نوشی کے پردے میں چھپاتے رہے لیکن ترک شراب کے بعد تنہائی اور [illegible] زندگی کے سناٹے نے انہیں بہت ستایا۔

پھر [illegible] حیات کی [illegible] اور زندگی کے سکون کی تمنا [illegible] میں شروع ہی سے تھی لیکن حالات کی بے راہ روی اور فطری بے عملی راستے کی [illegible] میں اضافہ کرتی رہی۔ [illegible] حیات کی تمنا کا عکس ہر دور کی شاعری میں [illegible] [illegible] آغاز [illegible] سے پہلے کی کشمکش اور نفسیاتی کیفیت نے ۱۹۵۷ء میں اُن سے "شریک حیات" جیسی نظم لکھوائی۔

یہی وہ دور ہے جسے کرار نوری کی شاعری کا اہم موڑ کہنا چاہیئے اور یہیں سے میری تمام تحریر اور خود ان کی شاعری کا جواز مہیا ہوتا ہے۔ کیونکہ ادب میں ہمیں کسی فرد کی زندگی کے نشیب و فراز سے صرف اسی وقت دلچسپی ہوتی ہے جب اس کے ذریعے ہمیں اس کے فن کی تفہیم اور انسانی تہذیب کی مجموعی صورت حال تک پہنچنے میں مدد ملے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کرار نوری نے روزمرہ زندگی کے سادہ لیکن اہم معاملات پر اصرار کو غزل کے ایک مستقل موضوع کی حیثیت دی ہے۔ اس دور کی غزلوں میں ان کا لہجہ اس خودکلامی سے قریب ہو گیا ہے جسے شاعری میں حسن تاثیر کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس سے ان کی غزل

[illegible]

[illegible]

قماش اکمیں [illegible] ہو کر لگاؤ جانے والا ہے

[illegible] کوئی جانے والا ہے

[illegible] تجربات کا سہارا لے کر [illegible] توڑ لے کر آئی ہے۔ حسرت موہانی [illegible] کی
[illegible] ایک [illegible] غزل [illegible] ادا ہوا تھا۔
[illegible] تجربے کو [illegible] بنایا گیا ہے۔ اس کی نوعیت اور حرکات اس [illegible]
[illegible] کار وزی کا مزاج [illegible] کار وزی نے [illegible] واردات کی [illegible]
[illegible] کے بجائے [illegible] اور استحکام [illegible] (WANDERING LIFE) کی
[illegible] ہے۔ کار وزی کی تنہائی زندگی کی مزدوروں سے بھاگنے کی تنہائی نہیں ہے [illegible]
[illegible] ہے۔ اس میں انسان ما بعد الطبیعاتی یا [illegible] رفاقت کا [illegible] کا [illegible] رفاقت کا
[illegible] کار وزی کی تنہائی متعلق ہے۔ اسی لئے [illegible]
[illegible] ہے۔

اس کی [illegible] تشریح [illegible] کے لئے کار وزی کی [illegible]
[illegible] کرتا ہے۔ کار وزی [illegible] شعور نے [illegible] اور فرد
[illegible] کے تجربے کو قبول کرنے کا ایک پیرایہ [illegible] ہے جبکہ سماجی شعور کے [illegible]
[illegible] اس کو [illegible] بنا کر پیش کرتے ہیں۔

اس اجتماعی ترتیب کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ کار وزی انسان دوستی اور [illegible] کی [illegible]
[illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس طرح [illegible] ہے کہ [illegible] شاعر [illegible] ہے لیکن اس میں غم کے [illegible] اور شعور کی [illegible] اس کے [illegible] ثابت [illegible]

[illegible] انفرادی اور [illegible] رفاقت [illegible] اختیار کا

انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ اور صحیح معنوں میں یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس شاعر نے اپنی غزل کو کن امکانات سے ہمکنار کیا ہے۔

غزل کے ضمن میں کرار نوری کی لفظیات بھی مخصوص ہے۔ وہ اپنے تیکھے تیور، طنزیہ اور تمکنت آمیز لہجے کی مناسبت سے منتخب کرتے ہیں۔

اکثر الفاظ غزل کی روایتی فضا سے مختلف ہیں۔ دہلی سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ محاورہ بندی اور زبان کی چاشنی پر جان دینے والوں میں نہیں۔ وہ اپنے انداز میں بات کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواہ اس میں الفاظ غیر روایتی ہوں اور خواہ مضمون کی وسعت کی وجہ سے مصرعہ ڈھیلا ہی کیوں نہ رہ جائے۔ کرار نوری کا لہجہ ان کی غزل میں ایک انفرادی رنگ اختیار کر چکا ہے۔ ان کا شعر دور سے پہچانا جا سکتا ہے کہ یہ کرار نوری کا ہے۔ لہجے کی یہ انفرادیت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

ان کا لہجہ محرومی، بے بسی اور تنہائی کے عالم میں بھی تیکھا رہتا ہے۔ ان کے لہجے میں رجائیت ہے۔ وہ مایوسی یا گھٹن کے لہجے میں گفتگو نہیں کرتے۔ وہ اس کی شدت اور کاٹ کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا جانتے ہیں۔

اپنے لہجے کی تمکنت کے لئے
میں نے الفاظ روند ڈالے ہیں

کرار نوری کی غزل کے مزاج کا اندازہ مشاعروں اور چیدہ چیدہ اشعار سے نہیں ہو سکتا۔ ان کی غزل کا ایک جامع انتخاب ہی پوری کیفیت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ ان کی غزلوں کا ایک جامع انتخاب منظر عام پر آ رہا ہے۔ آخر میں کرار نوری کے چند ایسے اشعار پیش کرنا چاہوں گا جو مجھے پسند ہیں۔ یا جن سے میرے مطالعے کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

پہلے ہی سے برہم کن محفل تھی طبیعت
ماحول مگر ہم سے خفا اور بھی نکلا

کتنی آسان ہے احسان فراموشی بھی
کتنا دشوار ہے شرمندۂ احساں ہونا

مجھ کو تباہ دیکھ کے وہ اس طرح ہنسا
جیسے وہ خود بھی دل میں بہت ہو دکھا ہوا

میرے ہی لہجے میں بولا ہے گھر کا سناٹا
کچھ اس قدر در و دیوار سے کلام کیا

پی کے کم، نشہ بڑھایا کیا کیا
ہم نے غربت کو چھپایا کیا کیا

ہمارے چہرے کی ویرانیاں تو دھو دیں گی
جو خشک ہو بھی گئی چشم نم تو کیا ہو گا

بہ باد کر گیا میرے لہجے کی تمکنت
تھا میرا مرض شوق بھی پندار کی طرح

بقیہ ص ۴ پر

طاہر نقوی

دو لمحوں کے درمیان

کوئی عام سا دن تھا اور اس دن کا کوئی عام سا لمحہ تھا جب طویل مدت بعد مجھے دم لینے کی ساعت نصیب ہوئی تھی یا اپنی مصروفیات سے گھبرا کر میں نے خود ہی نکالی تھی۔ اپنے ذہن کے خالی پن کی کیفیت میں اپنے گھر کے لان میں بیٹھا تھا اور ساتھ ہی میرے اردگرد پورے ماحول پر لیٹی ہوئی تنہائی قطرہ قطرہ میرے اندر ٹپک ٹپک کر مجسم بننے لگی۔ شاید وہ لمحہ تھا کہ یکایک مجھے ایسا محسوس ہوا گویا سامنے کسی گھنے پودے کی جڑ یا کسی جھاڑ سے نکل کر میرے آگے بچھی ہوئی گھاس میں سے سرسراتا ہوا کوئی سانپ میرے اندر آ گیا ہو۔ مجھ پر اس کا فطری ردعمل یہ ہوا کہ کسی برف خانے سے نکلی ہوئی ایک سرد لہر میرے وجود میں نیچے سے اٹھ کر میرے ذہن کی نسوں میں گھس آئی۔ ممکن ہے یہ لمحہ کسی بھی شخص کی زندگی میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ ہو سکتا ہے میرے ہی ساتھ ایسا ہوا ہو۔ جیسا بھی ہو، یہ سلسلہ عجیب اور غیر متوقع لمحات پیدا ہو رہے تھے جو خوف کی صورت میں مجھ پر اپنا تسلط جمانے لگا اور خوشگوار احساسات کے دروازے رفتہ رفتہ بند ہونے لگے۔

اس نئی صورتحال سے دوچار ہو کر مجھے یوں لگا جیسے کسی درخت کے تنے یا باڑ کے پیچھے سے کوئی مجھے تاک رہا ہے۔ اور ابھی وہاں سے نکل کر میرا گلا دبائے ہوئے کسی کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دے گا۔ اس اچانک کیفیت کے زیر اثر مجھے اپنی آنکھیں ابلتی ہوئی محسوس ہوئیں اور حلق خشک ہو گیا۔ میں نے کسی کو مدد کے لئے آواز دینی چاہی لیکن آواز نہ نکل پائی یا نکلی ہو گی تو الفاظ میں صدا نہیں رہی تھی چنانچہ گھبرا کر میں نے اپنے گلے کو پکڑ لیا اور ہمت کر کے اسی حالت میں اندر کمرے میں چلا گیا۔ مجھے اس حالت میں دیکھا تو بیوی گھبرا کر میرے پاس آئی۔ اپنے ہاتھ گلے سے ہٹا کر میں نے اسے کچھ بتانا چاہا مگر کھیں کھیں کی آواز کے علاوہ کوئی اور لفظ نہ نکلا۔ وہ دوڑ کر پانی کا گلاس لے آئی۔ میں نے پانی ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔ اب حلق کی خشکی تو جاتی رہی مگر اندرونی کیفیت جوں کی توں رہی۔

"یہ تمہیں اچانک کیا ہوا ۔۔۔ رنگ پیلا پڑ گیا اور آنکھیں باہر کو ......"

میں نے اُسے کوئی جواب نہ دیا یا دے نہ پایا۔ جو بھی بات تھی۔ کوئی جواب دینے کی بجائے میں کھڑکیاں بند کرنے لگا اور اس کے پاس وہیں بیٹھ گیا۔ تازہ ہوا بند ہو جانے کے نتیجے میں گھٹن کی بنا پر مجھ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ شاید اس کی بھی یہی حالت تھی کیونکہ وہ بھی پسینے سے تر بتر ہو رہی تھی۔ اس نے اس انداز میں میری جانب دیکھا گویا کھڑکیاں کھولنا چاہتی ہو مگر مجھے تیار نہ پا کر خاموش ہی رہی۔ کھانے کے وقت ڈائننگ ٹیبل پر بچے کھانے کی بجائے مجھے غور سے دیکھتے رہے، میں ان سے اور بیوی سے نظریں برابر چراتا رہا کہ کہیں یہ مجھ سے اس کا سبب نہ دریافت کر لیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ میں خود اس سے آگاہ نہ تھا۔ اس دوران بیوی کی بھی مدھم خاموشی سی رہی۔ میں نے خالی خالی لہجے میں اس سے اس خاموشی کی وجہ

پوچھنی چاہی تو اس نے گھبرا کر سر اٹھایا جیسے سوچ کے سمندر سے اچک کر اس لمحے باہر نکلی ہو۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر خود میرے اندر چیونٹیاں سی چلنے لگیں۔ چنانچہ اس روز خلافِ معمول سب سونے کے لئے جلد ہی لیٹ گئے۔ البتہ میری آنکھ پوری رات گھبرا گھبرا کر کھلتی رہی اور صبح اٹھ کر میں بادلِ نخواستہ دفتر کے لئے تیاری کرنے لگا۔ اپنی اس حالت کے ساتھ ہی مجھے بیوی کی بدلی بدلی کیفیت بھی قطعی اجنبی لگ رہی تھی۔ مگر پتہ نہیں کیوں میں اُسے کرید نہ پایا کیونکہ ہر ساتھ فرد کو اپنی ہی ذات پر جھیلنا ہوتا ہے۔

دفتر کے احاطے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مجھے وہی ساتھی ملا جس پر میں پچھلے دنوں ہنستا رہا تھا اور جس کی باتوں کو میں ہنسی میں اُڑا دیا کرتا تھا۔ حسبِ معمول وہ مجھے دیکھ کر آج بھی میرے پاس بھاگا بھاگا آیا اور گزشتہ روز پیش آنے والے واقعات سنانے لگا کہ جب وہ گھر سے نکلا تو کوئی اس کے پیچھے لگ گیا۔ راستے میں اسے کسی نے سرگوشیوں میں دھمکی دی اور جب اسٹاپ پر پہنچا تو وہاں پہلے ہی سے دو آدمی بیٹھے تھے جنہوں نے اسے دیکھ کر آپس میں مختلف اشارے کئے۔ اس دوران خاموشی سے میں اُسے دیکھتا رہا جیسے آج وہ یہ سب کچھ سچ سچ کہہ رہا ہو۔ کیونکہ ہر انسان دوسرے کے دئیے ہوئے درد سے کی اوجھری کوٹھڑی میں دُبکا پڑا رہتا ہے۔ میرا یہ انداز ظاہر ہے اب اُسے اجنبی اجنبی لگا اور میری طرف سے کوئی ہمدردی یا رائے نہ پا کر غصے سے وہ میرے پاس سے جانے ہی والا تھا کہ میں نے اُسے تھام لیا۔

"آج تم میرا مذاق نہیں اڑا رہے ہو ——— ؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے —"

میں نے سہمے سہمے انداز سے آہستگی سے اُسے جواب دیا تو وہ مجھے حیرت سے تکنے لگا۔ پھر اس کی یہ حیرت خوف میں تبدیل ہونے لگی۔ جس سے اس کی حالت غیر ہونے لگی اور اس کا یہ خوف آہستہ آہستہ میرے وجود میں رینگنے لگا۔ اس وقت میں یہی سوچ رہا تھا کہ شاید اس کی روزانہ کی ایسی باتیں سن سن کر ہی مجھ پر اثر ہو گیا ہے۔ میرے ذہن پر اس کی یہ باتیں بری طرح سوار ہو گئی ہیں اور میں خود اعتمادی کے ڈھیر سے پھسل کر گہرائی میں گرنے لگا ہوں۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا میرے پاس سے چلا گیا اور میں اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا بہانہ تلاش کرنے لگا۔ مگر مجھے کسی طرح یکسوئی میسر نہ آئی۔ میں نے دفتر کے ہر فرد کا بغور مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ ہر ایک تیز قدموں سے اِدھر اُدھر آ جا رہا تھا اور جم کر سیٹ پر نہیں بیٹھ رہا تھا۔ چپراسی گھڑی گھڑی ہر ایک کے پاس جاتا کہ صاحب بلا رہے ہیں اور ایسے میں میرے پاس بیٹھنے والے نے اچانک مجھ سے تاریخ پوچھ ڈالی۔ مجھے خود یاد نہیں رہا تھا۔ میں نے ذہن پر زور ڈال کر اُسے تاریخ بتائی۔ اتنے میں کسی نے وقت دریافت کیا۔ میں نے اُسے وقت بتایا تو کہنے لگا۔

"سامنے والی کلاک میں تو یہ وقت نہیں ہے۔"

میں نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی، واقعی دفتر کی گھڑی آدھ گھنٹے آگے تھی۔

"یہ آج ہی آگے چل رہی ہے یا ......"

"معلوم نہیں ———"

"ابھی کچھ دیر قبل تو یہ ٹھیک ٹائم بتا رہی تھی۔"

"تم وقت کیوں پوچھ رہے ہو ؟"

"بس یونہی۔ دراصل دفتر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ نہ جانے کیوں ؟"

میں نے چونک کر اُسے دیکھا جیسے اس نے میرے دل کی بات اُچک لی ہو۔

"تم خوفزدہ کیوں ہو ۔۔۔۔"

"نہیں ۔۔ نہیں تو ۔۔"

لیکن اس کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ نے اس کے جھوٹ کی تصدیق کر دی تھی ۔

"کوئی خاص وجہ تو ضرور ہے ۔۔۔"

پورے ماحول پر اس صورت حال کی چادر تنی ہوئی تھی اور کھل کر سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا ۔ اس نے اپنا حوصلہ چھوڑتے ہوئے کمزور آواز میں جواب دیا ۔

"ہاں کوئی وجہ تو ہے ، مگر معلوم نہیں کیا ہے ۔"

اتنے میں چپراسی میرے پاس دوڑا دوڑا آیا ۔

میں نے اسے استفسار طلب نظروں سے دیکھا ۔

"بڑے صاحب نے میری تنخواہ کاٹنے کی دھمکی دی ہے ۔"

یہ کسی واحد کا شعوری تصور نہیں معلوم ہوتا تھا بلکہ اب ہر وجود کے باہر کے ماحول کی سنسنی کی بنا پر اس کے مزاج میں چڑچڑاپن شامل ہوتا جا رہا تھا ۔

"تمہارے اندر خوف کی یہی وجہ ہے کیا ۔۔"

یہ کہتے ہوئے میں اپنے اندر ہی اندر لرز رہا تھا اور میری اس بات سے وہ چونک گیا ۔ میں نے سفارش کا وعدہ کیا مگر وہ میرے لہجے کے کھوکھلے پن کو تاڑ گیا تھا ۔ خود اس کی ایسی حالت تھی جیسے وہ میرے پاس سے فوراً بھاگ جانا چاہتا ہو ۔ میری طرح شاید دوسروں میں بھی توازن نہیں رہا تھا ، میرے برابر والے نے مجھ سے کہا ۔

"چھٹی کا وقت آج جلدی ہو گیا ہے ۔"

"ہاں شاید ۔ کیا تم ابھی بیٹھنے کا ارادہ رکھتے ہو ۔۔۔"

"نہیں تو ۔۔"

"چلو پھر ساتھ ہی نکلتے ہیں ۔"

وہ اس طرح خوشی خوشی اٹھ کھڑا ہوا جیسے بھاگنا چاہتا ہو ۔ اس کے چہرے پر بھی خوف کی وہی کیفیت طاری تھی جو میں اپنے اندر محسوس کر رہا تھا ۔ ہم دونوں خوفزدہ حالت میں چلتے رہے ، انجانے خوف کی پرچھائیاں اس کے اور خود میرے چہرے پر چھائی ہوئی تھیں ۔ عارضی طور سے نجات پانے کے لئے میں ادھر ادھر دیکھتا تو یہی لگتا جیسے ہر راہ گیر پر کسی اور شخص کا خوف سوار ہو ۔ کسی بیرونی شخصیت کا خوف جو کسی بھی لمحے آ کر سب کو اپنے پنجوں سے جکڑ لے گی اور اسی لئے سب تیز تیز قدموں سے جان بچانے کی فکر میں چل رہے ہیں ۔ لیکن محفوظ گوشہ کہیں بھی نہ مل رہا ہو اور سب اجتماعی خوف کا شکار ہو چکے ہوں ۔ چنانچہ مجھے یہ احساس ہو رہا تھا جیسے یہ کیفیت اب ہر شخص پر مکمل طور سے سوار ہو چکی ہو اور اعتماد کر کے زہر کی طرح یہ ذہن اور دل دونوں کو کھوکھلا کئے دے رہی ہے اور ہر ایک کی انفرادی شخصیت کچلی جا رہی ہے ۔

گھر میں داخل ہونے سے پہلے میں نے دیکھا کہ میرے کمرے کی کھڑکیاں ابھی تک ویسے ہی بند تھیں اور دروازہ لگاتار دستک دینے کے باوجود خاصی دیر میں کھلا ۔ میرے اعصاب میں اضمحلال کی صورت پیدا ہو گئی تھی اس لئے یہ چیز تنا بنے بھی مجھے بری طرح کھلے ۔ میں اندر داخل ہوا تو بیوی کے چہرے پر بھی خوف تھا ۔ اس کی آنکھوں میں موت کی جگہ چھپا بن آ گیا تھا ۔ میں نے خود اپنا حوصلہ بحال کرنے کی کوشش میں اس سے پوچھا ۔

"تم نے کھڑکیاں اور دروازے کیوں بند کر رکھے ہیں ۔۔۔ ؟"

"تم نے خود ہی تو بند کئے تھے ۔"

"اچھا لو ، کھولے دیتا ہوں ۔"

یہ کہہ کر اندر ہی اندر میں لرز اٹھا، بیوی کے لب بھی پھڑپھڑا کر رہ گئے جیسے مجھے کھڑکیاں کھولنے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے اُسے مددگار نظروں سے دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

"مجھے لگتا ہے کوئی بس آنے ہی والا ہے اور مجھے بازو سے بچوں کو اٹھا لے جائے گا۔"

میرے پاس مناسب وسیلۂ اظہار نہ تھا، ہم ایک دوسرے کے لئے محض بے معنی الفاظ کے چھوٹے استعمال کر سکتے تھے اور یوں باہمی رشتے منقطع ہونے لگے تھے۔ چنانچہ میں اسے تسلی نہ دے پایا۔ وہ تو میری یہ حالت بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کی یہ بات سن کر میں کسی بھوت کی طرح بچوں کے کمرے میں انہیں دیکھنے گیا۔ تینوں بچے بیٹھے بے فکری سے بورڈ کھیل رہے تھے اور ان کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ انہوں نے دیکھتے ہی مجھے کھیل میں شریک ہونے کو کہا کیونکہ اس سے پہلے فارغ اوقات میں ان کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا مگر اب میں ہر شوق سے خالی ہو گیا تھا۔ میں نے ہمت کر کے کھڑکی سے باہر جھانکا تو معلوم ہوا کہ پورے محلے کے گھروں کی کھڑکیاں بند تھیں اور عجیب پژمردگی پورے شہر پر سایہ کئے ہوئے تھی۔ لہٰذا میں نے گھبرا کر وہ کھڑکی بند کر دی۔ میری اس حرکت سے بیوی کے چہرے پر کچھ اطمینان کے تاثرات آئے۔ بچوں نے ہم دونوں کی طرف تعجب سے دیکھ کر میرے اور حبس کی شکایت کی تو میں نے انہیں پہلے سمجھایا پھر ڈرایا کہ کہیں کوئی کود کر اندر نہ آ جائے۔ تینوں بچے ایک دوسرے کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے اور پھر ہم دونوں کو اُسی خوف سے دیکھنے لگے۔ بیوی ٹرے میں کھانا رکھ کر اسی کمرے میں لے آئی۔ مگر نہ مجھ سے اور نہ اُس سے کھایا جا رہا تھا۔ نوالے منہ میں ادھر ادھر پھرا کر زبردستی نگلنے کی کوشش کرتے۔ بچے کبھی ہم دونوں کو دیکھتے اور کبھی کھڑکی کی طرف اور کبھی ایک دوسرے کو۔ وہ جلدی کھانے پر سے اٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں نے انہیں جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ کھیلو۔ ڈرو مت —"

یہ کہتے ہوئے میری حالت غیر ہو گئی، میری اس بدلی ہوئی حالت کو بچوں نے بھانپ لیا تھا اور ادھر بیوی بھی کھڑکیوں اور دروازوں کی طرف مسلسل دیکھے جا رہی تھی۔ جیسے دروازوں سے خوف اندر آ رہا ہو۔ چنانچہ بچے ہمارے قریب کھسک آئے اور سکڑ کر بیٹھ گئے۔ اب ان کے چہروں پر بھی خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ اس لئے بیوی انہیں مرغی کی مانند لے کر بیٹھ گئی۔ میں نے سوچا کہ تمام حالات میں یہ سراسیمگی بچوں کے چہروں پر کبھی سوار نہیں ہوا کرتی۔ مجھے یوں لگا جیسے ان کے چہرے پر یہ سائے میرے اور بیوی کے چہرے کے عکس ہوں۔ اس وجہ سے اب ہماری داخلی کشمکش اور زیادہ گہری اور پیچیدہ ہو گئی تھی۔

اس کیفیت کے محرکات نہ جانے کیا تھے۔ جن کے زیر اثر میں رائٹنگ ٹیبل پر کہانی لکھنے کی غرض سے جا بیٹھا اور اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بہت عرصے سے ذہن میں دُبکے ہوئے موضوع پر لکھنا شروع کر دیا۔ دو تین صفحے لکھنے کے بعد میں نے اُسے جب دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ ہر لفظ سے خوف اور دہشت جھلک رہی تھی۔ کئی جگہ غیر شعوری طور پر محض خوف اور ڈر کے الفاظ ہی لکھ گیا اور یوں مجھے اپنے ذہن کی سطح پر اُبھرنے والے غیر شعوری عناصر کی مزید پہچان ہو گئی۔ میں نے شکستگی کے عالم میں وہ صفحے پھاڑ دیئے۔ کچھ دیر سر پکڑے بیٹھا رہا اور دوبارہ لکھنے کی کوشش کی مگر میری انگلیوں میں جکڑا ہوا قلم کانپنے لگا۔ میرے

چہرے پر پسینے کی ٹھنڈی بوندیں اُبھرنے لگیں، میں خوف کی تیز دھوپ میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا وجود جگہ جگہ سے ٹوٹ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس موضوع پر کہانی نہیں لکھی جا سکتی یا شاید اس کہانی کے لکھے جانے کا ابھی وقت نہیں آیا ہے یا ممکن ہے وقت گزر چکا ہو اور میں پہچان نہ پایا ہوں۔ میں پچھلے ان کی ساری کہانیاں پڑھ چکا ہوں۔ ان میں بھی وہ کہانی شامل نہیں تھی۔ یقیناً ابھی تک کوئی اسے لکھ نہیں سکا ہے۔ اس لئے کہ لکھتے وقت ہر ایک پر یقیناً یہی کیفیت چھا جاتی ہوگی۔ یہ کہانی فضا ہی میں تیرتی رہتی ہے مگر کسی کی گرفت میں نہیں آتی۔

رات بھر میں میز پر یونہی ہاتھ میں قلم تھامے بیٹھا رہا۔ باہر شکست کے لمحوں کی طنابیں سارے شہر پر تنی ہوئی تھیں اور میرے سامنے بیوی، بچوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے اُسی پہلو بیٹھی رہی۔ سب کی آنکھیں کی طرح کھلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ مجھے یوں لگا جیسے ہم سب پتھر کے ہو چکے ہوں، جسم کے شہر کی دھوپ اور ...ن کی ...ے جلا کر رکھ دیا ہو۔ باہر ہر شخص ہر احساس ... محروم رہا ہو اور سارا شہر بے خوف کی صلاحیت سے محروم ہو چکا ہو۔

جاگنے کی تھکن اپنے چہرے پر سجائے اپنی ویران ...فوں میں چھپے ہوئے کانٹوں کے ساتھ صبح میں دفتر جانے کے لئے اپنی میز پر سے اٹھا اور شیو کرنے کے لئے ...نے آئینہ اٹھایا تو دیکھا کہ آئینے میں وہی شخص موجود تھا ... سے میں اب تک خوفزدہ تھا۔ چنانچہ گھبرا کر میں نے فوراً اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور آگے بڑھ کر جلدی جلدی گھر ... سے آئینے توڑ دیئے ——— !!!

———

گیا

بقیہ: تبصرے

جو اثرات ہندوستان کے شہری اور دیہی خاندانوں پر پڑے ہیں۔ ان کا مفصل تجزیہ نہیں کیا گیا ہے۔

باب اوّل کی ابتدا میں خاندان کے تصور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اس کے مطالعہ سے ہم اُردو والوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ تشکیل خاندان کے درج ذیل عناصر ہیں:-

(۱) جنس
(۲) خونی رشتے
(۳) مادری جذبہ
(۴) انسانی ضروریات
(۵) وارث کا تصور
(۶) بہتر سماج کے لیے اعلیٰ کردار کی تعمیر کا جذبہ

ان عناصر کی اہمیت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہ ساری معلومات جدید علم کے ایک اہم شعبہ SOCIOLOGY سے تعلق رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی نے جو محنت کی ہے اس کی داد نہ دینا موصوف کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

——— فیضان عزیزی۔

بقیہ: اُبھرتی ڈوبتی کہانی

میرا دامن تار ہو گیا۔ یہ شاید میری زندگی کا پہلا واقعہ تھا۔ مجھے دلی افسوس ہوا کہ میری کہانی اس تک نہیں پہنچی۔

وقت کے ساتھ ساتھ خیالات، حالات اور جذبات بدلتے رہتے ہیں۔ اس کہانی کے بعد پھر نہ جانے میں نے کتنی کہانیاں لکھیں۔ اب تو میری کتابیں بھی چھپ گئی ہیں۔ لیکن مجھے آج بھی شک ہوتا ہے کہ میں اپنی پڑوسن کو بتا نہ پایا کہ میں بھی لکھنے لگا ہوں۔

اُبھرتی ڈوبتی کہانی

سلمان کوھانی

نہ جانے کیوں مجھے بہت ہی کم عمری سے لکھنے پڑھنے کا شوق ہو گیا تھا۔ ویسے میں کسی پڑھے لکھے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے ادب سے بہت دلچسپی تھی۔ میں طرح طرح کے رسائل لاتا اور ان کو پڑھتا رہتا۔ اگر کہیں سے کچھ زیادہ پیسہ مل جاتا تو کوئی کتاب لے آتا! میری دلچسپی کو دیکھ کر ایک صاحب نے مجھے ایک لائبریری کا ممبر بنوا دیا۔ پھر کیا تھا دن دن بھر وہیں بیٹھا رہتا۔

پھر اچانک میں نے اپنے آپ میں تبدیلی محسوس کی۔ ایسا لگا جیسے میں بھی کچھ لکھ سکتا ہوں اور میں نے ایک کہانی لکھی بھی۔ کچھ لوگوں کو سنائی، بہت سے لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ کچھ بزرگ برا بھی مانے کہ کیا بے ہودہ کہانی لکھی ہے۔ "ارے بھائی، کچھ کام کاج کرو! اس کے لئے تو عمر پڑی ہے۔"

لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے جتنا سکون کہانی لکھنے میں آتا ہے اتنا کسی چیز میں نہیں۔ میرے گھر والوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک طرح سے مجھے پاگل سمجھ لیا تھا۔ وہ لوگ مجھے اپنے کسی کام میں بھی شریک ہونے کو نہیں کہتے تھے۔ یہاں تک کہ میرے کھانے پینے تک کا بھی ان لوگوں کو خیال نہ رہتا تھا۔ لیکن میرے اوپر ان باتوں کا ذرا بھی اثر نہ ہوتا۔ میں سوچتا تھا کہ اگر میں ان لوگوں کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹاؤں بھی تو وہ لوگ خوش نہ ہوں گے۔

آخرکار ایک دن ایسا بھی آیا جب میرے بڑے بھائی کہنے لگے۔ "دیکھو، بہن کی شادی ہے۔ یہ کمرہ اس کو دیا جائے گا۔" میں سوالی نظروں سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ یعنی کہ میرا کیا ہوگا؟ شاید انہوں نے اس بات کو بھانپ لیا اور بولے۔ "دیکھو بھیا! بہن کی شادی کا مسئلہ ہے۔ بھائیوں کو ایثار تو کرنا ہی چاہیئے۔ تم ایسا کرو اپنے لئے شہر میں کسی چھوٹے سے گھر کا انتظام کر لو، جہاں تک کرائے وغیرہ کا سوال ہے وہ ہم لوگ دے دیا کریں گے۔ اور ہاں تمہارے کھانے پینے کے لئے بھی تم کو کچھ نہ کچھ ماہوار رقم باندھ دیں گے!" اُن کی یہ بات سُن کر میں حیران رہ گیا۔ ایسا لگا جیسے میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی ہو۔ مجھے صدمہ اس کا نہیں تھا کہ مجھے گھر والوں سے الگ کیا جا رہا تھا، مجھے صدمہ صرف اس کا تھا کہ اس بات کو انہوں نے کتنی آسانی سے مجھ سے کہہ دیا تھا۔

تھوڑے ہی دنوں میں شہر سے دور مجھے ایک کمرہ مل گیا۔ میں اس میں چلا گیا۔ مجھے کسی بات پر افسوس نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ میری بہن کی شادی ہو گئی۔ مجھے اس پر بھی افسوس نہیں ہوا کہ مجھ

بالکل نہیں لگا۔ میں نے سوچ لیا شاید ان لوگوں نے مجھے اس قابل نہ سمجھا ہو۔

دن گزرتے رہے۔ میرے کمرے میں کتابوں اور رسائل کی تعداد بڑھتی رہی۔ میں اپنے کمرے میں بہت خوش رہتا تھا۔ کیونکہ وہاں مجھے پوری آزادی تھی۔ چاہے ایک کہانی لکھوں یا ایک ہزار، مجھے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ کبھی کبھی کسی کہانی کو لکھنے میں پورا دن اور رات گزر جاتے اور مجھے وقت کا احساس بھی نہ ہوتا۔ میں اپنی اس زندگی سے بہت ہی خوش تھا۔ مجھے سب سے زیادہ اس وقت خوشی نصیب ہوتی جب کوئی آدمی میری تخلیق کی تعریف کرتا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے میں بہت ہی آرام سے ہوں۔ مجھے کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں۔

ایک دن میرے پڑوس کے ایک صاحب آئے اور کہنے لگے "بھائی صاحب! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ کو لکھنے لکھانے کا بہت شوق ہے۔"

میں نے کہا۔ "جی ہاں۔ تشریف رکھیے۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"ہمارے ایک دوست بتا رہے تھے کہ آپ افسانے، کہانیاں بہت اچھی لکھتے ہیں۔" اور نہ جانے وہ صاحب کیا باتیں کرتے گئے اور میں سنتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کے کہنے کا مقصد کیا ہے۔ آخرکار ان کی بہت لمبی چوڑی تبصرہ اور تقریر کے بعد میں نے اُن سے تشریف لانے کا مقصد پوچھا تو کہنے لگے۔ "اجی صاحب! میری لڑکی بی اے میں پڑھتی ہے اور اسے بھی افسانے لکھنے کا شوق ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ آپ کبھی کبھار اس کا افسانہ دیکھ لیں۔ ... تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔" میں نے کہا "جی ہاں! اگر کسی بچی کو ادبی شوق ہے تو اس کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ آپ یہ کہہ دیجئے گا کہ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں۔ وہ جب جی چاہیے آسکتی ہیں۔"

اور پھر وہ صاحب نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کر کے میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد گئے۔ پھر ایک دن وہ صاحبہ اچانک تشریف لے آئیں۔ نہ تو دروازے پہ دستک نہ آواز۔ میں اپنی ایک نامکمل کہانی کی طرف متوجہ ہی ہوا تھا کہ آواز آئی۔ "آداب!"

"جی کس سے ملنا چاہتی ہیں آپ" میں نے ان صاحبہ سے دریافت کیا۔

"جی، آپ ہی سے۔ میں آپ کے پڑوس میں رہتی ہوں۔ میں نے ایک افسانہ لکھا ہے!!"

"اچھا اچھا" میں کہا۔ "آپ کا اتنا ہی تعارف کافی ہے۔ آپ کے والد کیسے ہیں؟"

"جی ٹھیک ہیں۔"

میں نے اس کا افسانہ دیکھا، اچھا تھا۔ بس ایک آدھ کردار واضح نہیں تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کا افسانہ میں نے دیکھ لیا۔ ایک دو رسمی باتیں ہوئیں اور وہ چلی گئی۔

دن بڑے مزے سے گزر رہے تھے۔ میرے شوق کی چیزیں مل ہوئی تھیں۔ دو وقت کھانے کے علاوہ میرا کوئی خرچ بھی نہیں تھا۔ ہاں سگریٹ ضرور خرچ بن سکتی تھی لیکن بہت کم پیتا۔ ہر شام میرے دوست میرے کمرے پر آجاتے اور محفل جم جاتی۔ ایک دو لوگ اُن میں شاعر بھی تھے اور اچھی شاعری کرتے تھے۔ وہ لوگ تو رسائل میں بھی بھیجا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ میں بھی اپنی تخلیق کسی رسالے میں بھیجوں۔ لیکن نہ معلوم کیوں مجھے ایسا لگتا یہ میری تخلیق ہے۔ اس پر پورا حق میرا ہے۔ آخر کوئی دوسرا اس کو پڑھے کیوں۔

میری پڑوسن شروع میں کبھی کبھار آجایا کرتی تھی۔ لیکن پھر اس کی بار بار آمد نے ہم لوگوں کو تھوڑا بے تکلف

کردیا۔ اب ایسا ہوتا وہ مجھ پر ترس کھا کر میرے کمرے کی صفائی بھی کر جاتی۔ ویسے مجھے صفائی سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ صفائی سے ہی نہیں بلکہ ہر دکھاوے اور بناوٹ کی چیز سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پڑوسن کی اس ہمدردی کو دیکھ کر ایک روز میں نے اُسے گھر پر کچھ پکانے کی زحمت بھی دی۔ ہوٹل میں جب کھاتے کھاتے اُوب جاتا تو اس سے کبھی کبھار گھر ہی میں کچھ پکوا لیا کرتا تھا۔

لیکن شاید میرے گھر والوں کو یہ بات پسند نہ آئی کہ میں اتنے آرام و سکون سے رہ سکوں۔ ایک دن میرے بھائی صاحب تشریف لائے۔ میں اُن کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آخر انہوں نے ایسی تکلیف کیوں گوارا کی۔ بڑی محبت سے انہوں نے ادھر اُدھر کی باتیں کیں۔ میں نے فوراً چائے اور بسکٹ کا انتظام کیا۔ میں جانتا تھا کہ آج میری ماہانہ رقم کا دن ہے۔ شاید کوئی نوکر نہ ہو گا اس لئے وہ خود ہی آگئے۔

تھوڑی دیر بیٹھ کر انہوں نے اٹھتے ہوئے بڑے ہی پیار سے کہا۔

"دیکھو بھائی ابھی تک تو ہم تمہاری مدد کر رہے تھے لیکن اب چونکہ خرچ بہت بڑھ گیا ہے۔ بہن کی شادی بھی ہوگئی، روز ہی کچھ نہ کچھ لین دین لگا رہتا ہے اور اب تو اس کے یہاں ولادت ہونے والی ہے۔ اس سلسلے میں بھی خرچ ہوگا۔ اس لئے اب ہم تمہاری کوئی مدد نہ کر پائیں گے۔ تم بھی بالغ ہو چکے ہو۔ کم از کم اتنا تو کر ہی سکتے ہو کہ اپنی دو وقت کی روٹی کا انتظام کر لو۔"

اُن کی باتیں سن کر میں حیران رہ گیا کہ بھائی کتنے سنگ دل ہو گئے ہیں۔ مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ ایسا لگا جیسے مجھے چپ سی لگ گئی ہو۔ شاید وہ میری اس حالت کو بھانپ گئے تھے۔ چونکہ وہ لوگ پہلے ہی سے ہر انسان کو تولنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اس لئے مجھ پر کوئی دھیان نہ دیا اور بڑے ہی لاپرواہ انداز میں یہ کہتے ہوئے معذرت کر کے اٹھ گئے۔

"دیکھو بھیا! پہلے گھر میں پانچ نوکر تھے۔ گھر کی پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے ہم نے ایک کو نکال دیا۔"

وہ چلے گئے میں پلنگ سے اٹھ بھی نہیں پایا۔ شاید میں سہم گیا تھا یا مجھ میں صلاحیت نہیں رہ گئی تھی کہ بھائی کو نوکر اور بھائی میں فرق محسوس کراؤں۔ پھر نہ جانے میں کتنی دیر یونہی بیٹھا رہا۔ اگر پڑوسن نہ آجاتی تو شاید میں ہمیشہ یونہی بیٹھا رہتا۔ وہ آج میرے لئے اپنے گھر سے کچھ پکا کر لائی تھی۔ میرے بہت انکار کرنے پر بھی وہ نہ مانی اور اس نے مجھ کو کھانا کھلا کر ہی دم لیا۔ وہ کتنے پیار سے مجھے چیزیں بنا کر کھلاتی ہے۔ وہ میرا کتنا خیال رکھتی ہے۔ میں کھانے کے دوران یہی سب سوچتا رہا۔ شاید وہ بھی بھانپ گئی کہ میں پریشان ہوں۔ اُس نے کھانے کے دوران ہی پوچھا کہ آج آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ لیکن میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ چپ ہی رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے کیا کہوں۔ لیکن اس کا اصرار بڑھتا گیا۔ اس نے ایک دم میرا ہاتھ پکڑ کر پوچھا "بتائیے نا، آپ کو کیا پریشانی ہے۔"

اس کے گرم ہاتھوں نے میرے ہاتھوں کی گرمی بھی چھین لی۔ مجھے ایکدم پسینہ آگیا۔ شاید کسی لڑکی نے کبھی مجھے چھوا نہیں تھا۔ میرے ہاتھوں کا نوالہ میرے ہاتھ میں ہی رہ گیا اور میری نظر بس اس کی طرف اٹھی کی اٹھی ہی رہ گئیں۔ شاید وہ بھی اس بات کو بھانپ گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اب اس کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ بات آگے کیسے بڑھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اسی نے مجھ سے کہا۔ "پانی پیجئے گا؟" اور مجھے بھی احساس ہوا کہ مجھے پیاس لگی ہے ———— ! لیکن اس نے دوبارہ

میری پریشانی کا سبب نہیں پوچھا۔ یہاں تک کہ میں کھانا کھا چکا۔ اس نے برتن اٹھائے اور جانے لگی۔ لیکن میں نے ہی اس کو آواز دے کر روکا۔ وہ بیٹھ گئی۔ میں نے اس سے بہت پیار سے پوچھا۔ ! "آپ نہیں معلوم کر دلی مجھے کیا پریشانی ہے۔" لیکن وہ پھر بھی چپ رہا۔ میں سمجھ گیا اس کو مجھ سے واقعی ہمدردی ہے۔ چونکہ میں پریشان بھی تھا اور ہمدردی اور محبت کا بھوکا بھی۔ اس لیے میں نے اس کو اپنی ساری باتیں بتا دیں۔ شروع سے لے کر آخر تک۔ وہ چپ چاپ میری باتیں سنتی رہی۔ اور میں بتاتے بتاتے ایک بار رُکا تو مجھے ایسا لگا جیسے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے کہ بجائے کچھ کرنے کے تو ایک لڑکی سے اپنی پریشانی بتا رہا ہے۔ اس احساس کے پیدا ہوتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے کہ بجائے کچھ کرنے کے تو ایک لڑکی سے اپنی پریشانی بتا رہا ہے۔ اس احساس کے پیدا ہوتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میرا دم اندر سے گھٹ رہا ہے اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مجھے نہیں معلوم وہ کب گئی یا کیا ہوا۔ ہاں جب میری آنکھ کھلی تو مجھے ایک پرچہ رکھا ہوا نظر آیا۔

ہم میں آپ میں کوئی ناتا نہ تھا۔ انسانیت آپس کے دکھ درد بانٹنا سکھاتی ہے۔ رشتوں کا کام ہی ٹوٹنا بنتا ہے۔ قسمت کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آپ کو جب تک کوئی ملازمت نہ ملے۔ آپ ہمارے مہمان رہیں گے۔

ہاں مجھے آپ سے کچھ کہنے کا حق تو نہیں لیکن میں ایک بات کہنا چاہوں گی۔ آپ افسانے لکھنا مت چھوڑیئے گا..............؟

آپ کی
......

مجھے پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ میری سمجھ

میں نہیں آیا کہ اس کا کیا مطلب نکالوں۔ میں تو یہ سمجھ چکا تھا کہ یہ تحریر سوائے اس کے اور کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ اس کی انسان دوستی پر میرا دل بھر آیا۔ مجھے اس سے ایک طرح کی محبت سی ہو گئی تھی۔

لیکن میں اس کے بعد کہانی نہیں لکھ پایا۔ شاید میں لکھنا ہی بھول گیا تھا۔ اکثر لوگ کہتے کہ یہ دل جلا تھا۔ اس لئے کہانیاں اچھی لکھتا تھا۔ لیکن جب سے اس نے اپنی پڑوسن کو اپنی پوری زندگی کے بارے میں بتایا تب سے یہ نہیں لکھ پایا۔ شاید اس کے دل کی گھٹن ختم ہو گئی۔ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میرے دوستوں نے بھی دھیرے دھیرے آنا جانا کم کر دیا۔ کبھی کبھار کوئی آجاتا۔

میں خود بھی بہت پریشان رہتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ مجھ سے کچھ لکھا ہی نہیں جاتا تھا۔ میں اب بھی پڑوسن کا ہی مہمان تھا۔ وہ اب بھی جب کبھی آتی تو مجھ سے پوچھتی کہ کیا کچھ لکھا ہے؟

دن دھیرے دھیرے بیتتے رہے۔ مجھے اپنی پڑوسن کے رحم و کرم پر پڑا رہنا بالکل اچھا نہ لگتا تھا۔ پھر ایک دن میں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے کہیں اور چلا جانا چاہیئے۔ اور پھر میں نے اپنے فیصلے کو برقرار رکھا اور میں نے طے کیا کہ اس شہر سے کسی دوسرے شہر چلا جاؤں گا۔ اور پھر ایک دن میں نے اپنی پوری تیاری کر لی۔ اسی دوران میری پڑوسن بھی آگئی۔ اس نے دیکھا کہ گھر کا سارا نظام درہم برہم ہے۔ اس کی سوالیہ نظریں کچھ کہنے بھی نہ پائی تھیں کہ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ وہ پھر سے کچھ پریشان ہو گئی۔ شاید اسے میرا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا تھا یا اسے صدمہ پہنچا تھا۔ ویسے دکھ تو مجھے بھی تھا اس سے دور جانے کا۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد میں رخصت ہو کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ بس چلتے وقت پڑوسن اتنا کہہ سکی۔ "دیکھو افسانہ لکھنا ضرور اور جب لکھنا تو بھیجنا ضرور۔"

اور پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آج پہلی مرتبہ اُس نے مجھے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ میں پورے سفر کے دوران اپنی پڑوسن کے ہی بارے میں سوچتا رہا۔ کتنی اچھی ہے وہ۔ مجھے اس بات کا افسوس بھی تھا کہ میں نے اس سے کچھ نہیں دیا کہ وہ مجھے اپنے افسانے بھیجنا بند نہ کرے۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا وہ بھیجے گی بھی کہاں ؟

اور پھر جب میں نے نئے شہر میں قدم رکھا تو نئی نئی پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مثلاً مکان کا مسئلہ۔ کھانے پینے کا سوال اور سب سے بڑھ کر ذریعہ آمدنی کا مسئلہ۔ لیکن جلد ہی مجھے ایک اخبار میں نوکری مل گئی اور اُسی میں رہنے کے لئے ایک کمرہ۔

زندگی میں پہلی بار ملازمت کی تھی۔ اس لئے ذمہ داری کا احساس بہت ہی زیادہ رہتا تھا۔ کچھ سوچنے سمجھنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ ویسے بھی میں دل بہلانے کی خاطر زیادہ سے زیادہ وقت آفس کے کاموں میں ہی لگایا کرتا۔ ویسے تو اب مجھے یہاں آئے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔

ایک دن میں ایک آرٹیکل لکھ کر نیچے بیسمنٹ (BASEMENT) میں جہاں مشین لگی تھی مشین مین کو دینے گیا تھا تو اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور قمیص پسینے سے شرابور تھی۔ لیکن پھر بھی لگن سے کام کئے جا رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا۔

"ارے بھائی پاگل ہو گیا۔ تھوڑی دیر رک جاؤ آرام کر لو پھر کام کرنا۔ تم تو شاید کل رات سے مشین پر کھڑے ہو نا ؟"

لیکن پھر بھی اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا یہ مشینی سدر کا آدمی ہے یا پھر اس کے کان کے پردے پھٹ چکے ہیں۔ میں خاموش ہو گیا اور واپس جانے لگا۔ ابھی میں مڑا ہی تھا اس کے ایک ساتھی نے بتایا کہ اس کی بیوی کا آپریشن ہے۔ اور وہ اوور ٹائم کر رہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ پیسہ کما سکے۔ معلوم نہیں کیوں مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ پھر مجھ سے کوئی کام نہ ہو سکا۔ میں اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا اور اس مشین مین کی زندگی کے بارے میں سوچتا رہا۔

ابھی میں تھوڑی ہی دیر بیٹھا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے میں کچھ لکھ سکتا ہوں۔ میرے ذہن میں کوئی تھیم (meme) شاید جنم لے رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی قلم کاغذ اٹھایا اور پھر میں کھو گیا۔ نہ جانے میں کتنی دیر تک لکھتا رہا . . . .

اور جب میں نے نظر اٹھائی تو مجھے احساس ہوا کہ آج نہ جانے کتنے برسوں بعد میں نے کہانی لکھی تھی۔ میں خوشی کے مارے پاگل ہو گیا۔ مجھے دوسرا جنم مل گیا تھا۔ مجھے میری زندگی واپس مل گئی تھی۔ اُسی دوران مجھے اپنی پڑوسن یاد آئی۔ میں نے اسی وقت اس کہانی کو صاف کر کے اپنی پڑوسن کو روانہ کر دیا۔ میں بہت خوش تھا کہ وہ کتنا خوش ہو گی میری کہانی پڑھ کے اور یہ معلوم کر کے کہ اب میں پھر لکھنے لگا ہوں۔

ایک دن میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ اب تک مجھے پڑوسن نے جواب نہیں بھیجا۔ نہ جانے اس کے کیا جذبات ہوں گے۔ نہ جانے وہ کیا لکھے گی۔ وہ کتنی خوش ہو گی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک دروازے پہ دستک ہوئی اور ڈاکیہ نے ایک لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے بڑی بے چینی سے لفافہ کھولا۔ لیکن یہ کیا ؟ یہ تو میری کہانی واپس آ گئی۔ مگر نہیں اس میں ایک خط بھی تھا۔ خط پڑھا بس اتنا لکھا تھا۔

"ماں ہسپتال میں ہے۔ ہم لوگ چند وجوہ کی بنا پر یہ مکان چھوڑ رہے ہیں ———

فقط آپ کا
اختر"

بقیہ صفحہ ۲۹ پر

غزل

حسن نعیم

لیا نہ ہم نے جو ملتا تھا مرتبہ سب کو
مقامِ نصرتِ پیمبر دکھا دیا سب کو

تمام شہر تھا ویراں، ہر اک گلی بے نور
ہمیں نے کارِ جنوں میں لگا دیا سب کو

وہ ایک شور بھی، لمحۂ مبارک تھا
جو انقلاب کی آنکھیں دکھا گیا سب کو

مرے کلام میں سب حرف یوں شگفتہ تھے
شگفتِ گل بھی نیا واقعہ لگا سب کو

نعیم ایک فقیری بچی ہے ورثے میں
اسے بھی مانگتی دنیا، تو بخشتا سب کو

غزلیں

ناصر بغدادی
(پاکستان)

اب تو یہ حال ہے اپنوں سے لرز جاتے ہیں
کیسے غم خوار ہیں غم دینے چلے آتے ہیں

عمر ڈھلتی ہے مگر مرگ مسلسل کی طرح
زندگی ہم تیرے انداز سے گھبراتے ہیں

اہل دل آؤ ذرا تم بھی تماشا دیکھو
ہم سے دیوانے کہیں روز نظر آتے ہیں

وہ جو زلفوں کی گھنی چھاؤں میں دم لیتے تھے
اب وہ عالم ہے کڑی دھوپ میں سو جلتے ہیں

ہم گزر تو رہے ہیں مگر کیوں ہمیں معلوم نہیں
لوگ بیٹھے ہیں تو بیٹھنے کا صلہ پاتے ہیں

زندگی صورت بیجا ہے نظر آتی ہے
ہم سمیٹے ہیں تو کچھ اور بکھر جاتے ہیں

کیسا کہرام مچا ہے ذرا باہر دیکھو
صحن گلشن کے امیں خوف سے تھراتے ہیں

بات بنتی ہے تو کچھ بگڑ جاتی ہے
زخم بھرتا ہے تو ناسور ابھر آتے ہیں

غم سے فرصت ہے دل کو تو سنانا اس کو
وہ فسانہ جسے کہتے ہوئے گھبراتے ہیں

نثار محمد نثار
(سعودی عربیہ)

تم اپنے پیار کا آئینہ تو دکھاؤ مجھے
میں کس مقام پہ ہوں دوستو! بتاؤ مجھے

میں ایک باب ہوں روشن کتاب الفت کا
نہ پڑھ سکو تو کسی طاق میں سجاؤ مجھے

مرے خیال کی تصویر رکھ لو آنکھوں میں
مثال اشک محبت نہ تم بہاؤ مجھے

نہ لاؤ جام مجھے جام سے غرض کیا ہے
شراب عشق لگا ہوں ہے بس پلاؤ مجھے

میں چاہتا ہوں کہ ہر تار دل شکستہ ہے
دلا کے یاد کے احساس کو لہو رلاؤ مجھے

جو التفات نہیں ہے تو بے رخی کیوں ہے
کرو نہ پیار تو ٹھوکر بھی مت لگاؤ مجھے

ہوں زخم زخم بہت اور آبلہ پا بھی
اگر کہاں ہے کہ چاہو تو آزماؤ مجھے

میں چاہتا ہوں کہ تجھ پہ نثار ہو جاؤں
ستم کے حال نشیمن کا سب بتاؤ مجھے

شائستہ یوسف

ایک نظم

(سارہ شگفتہ کے نام)

اور خود کو مورتی بنا لیتی
اس زہر کو جذب کر لیتی
جو تمہاری رگوں میں
بہا ہے اور
آنکھوں سے اُبلنے کو
بے چین ہے ——
پیاری شگفتہ
بہتی ہوئی مدھم سی
سسکتی موسیقی
اور ہوٹلوں میں بیٹھے ہوئے
کاغذی لوگوں کے درمیان
یکن موم کے لان
ایک جیسا سوچنے والے ذہن
بکھر رہے تھے ——
اور تم
اپنے وجود کو
سگریٹ کے دھوئیں میں
پھونک کر
آزاد ہو جانا چاہتی تھیں
اگر میں جادو جانتی
تو تمہیں بادل اور
جاوید کو ہوا بنا دیتی ——
ہوا بادل کو کہیں دور
لے جاتی اور
سمندر کو سیراب کر دیتی

پیاری شگفتہ
تم نے چمکتے ہوئے رنگوں میں
اپنے بدن کو مار دیا
لیکن اپنی نظموں میں
اس بے قرار عورت کو
نہیں مار سکیں
جو آج بھی گڑیا بن کر
مضبوط ہاتھوں میں
جکڑے جانے کے لیے
بے چین ہے
جو آج بھی اپنے بطن سے
خود کو نئی زندگی
دینا چاہتی ہے
——

گُنہ گار

تم نکاح کے بعد
سہرا باندھے
باراتیوں کے جھرمٹ سے نکل کر
مجھ سے ملتے ہو
میں نیک نیتی
اور صدق دل سے
دعائیں دیتی ہوں ——
لوگ آوازے کستے ہیں
"آوارہ، بدچلن، کلٹا، اداکارہ"
دلہن اپنا گھونگھٹ اُلٹ کر
مجھے یوں دیکھتی ہے جیسے
میں ڈائن ہوں ——
اور میں بے گناہ ہوتے ہوئے
لوگوں کی طرف
چور نظروں سے دیکھتی ہوں
تمہاری داشتہ
اپنے شوہر کا ہاتھ تھامے
میری طرف طنزیہ مسکراہٹ
اُچھالتی ہے
شور و غل مچاتے باراتی
ہم دونوں کی لاشوں کو
کچلتے ہوئے
آگے بڑھ جاتے ہیں
——

تبصرے

رسالہ اُردو انٹرنیشنل، شمالی امریکہ

میرے سامنے اُردو انٹرنیشنل کا گیارہواں شمارہ ہے، جو شمالی امریکہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس رسالے کی لکھائی چھپائی کے بارے میں کچھ کہنا ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا معیار ترقی یافتہ ملک کی طباعت کا معیار ہے جو ہمیں میسّر نہیں اور اگر ہے تو ہم غریب لوگوں کے لیے نہیں۔ خوشی ہوتی ہے کہ اُردو ہندوستان میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر چاہے کتنی ہی ملامت کی شکار ہو، چاہے اردو کے ذریعے مخصوص مذہب کے ماننے والوں کی شناخت کرنے اور کرانے کی کوشش ہندوستان کا بڑے سے بڑا آدمی کرتا ہو، اُردو جغرافیائی حدود کو اپنے بل پر توڑ چکی ہے، یہ ہماری زبان ہے، شاید ہندوستان میں اُردو کی حیثیت فارسی عربی جیسی ہو جائے جو مدرسوں اور مخصوص اداروں کے حصار میں ہی رہ جائے مگر اُردو دنیا کی اہم زبانوں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔ اور اس کی چکبست اور پریم چند کے دیس میں چاہے جتنی ہی تذلیل ہتک اور توہین کی جائے، مگر بین الاقوامی معیار اور دنیا میں اس کی توقیر اور مرتبہ ہندوستان کی دوسری کئی، یہاں تک کہ "سرکاری ہندی" کے لیے بھی قابلِ رشک ہوتی چلی جارہی ہے۔ "اردو انٹرنیشنل" ہمارے اس دعوے کا ایک ثبوت ہے بہت سارے ثبوتوں میں۔

مدیر اشفاق حسین اور اُن کے معاونین حسن عابد [illegible] خالد سہیل اور شمالی امریکہ اور دوسرے ملکوں کے ادیبوں، شاعروں کے لیے ہمارے دل میں بڑا احترام ہے کہ وہ اپنی زبان کو انٹرنیشنل بنانے کے لیے قیمتی کام کر رہے ہیں ——

اس شمارے میں "افریقہ" عنوان کے تحت ترجمے ہیں۔ احمد فراز کی زبان میں :—

جنوبی افریقہ کو شاعری کا خطّہ کہا
جاتا ہے، مگر ہیروں اور سونوں کی کانوں
کے اس دیس پر لگ بھگ چار صدیوں
سے غلامی، محرومی اور جبر و استبداد کا
مرگ آسا کہرا چھایا ہوا ہے۔

مینڈیلا بائیس سال سے جیل کی اذیتیں اُٹھا رہا ہے، وہ کوئی سمجھوتہ آزادی سے کم پر نہیں کرتا اور آمریت حیران ہے کہ مینڈیلا کیسا آدمی ہے؟ اصل میں سامراج اور آمریت مینڈیلا کو محض ایک فرد سمجھتی ہے۔ بے وقوف یہ نہیں جانتے کہ مینڈیلا کا جسم جیل میں ہے مگر اس کی طاقت، آمریت اور سامراج سے نبرد آزما ہے اور جیت اسی طاقت کی ہو گی۔ اگر ادیب اور شاعر کو بھی یہ بھروسہ نہیں ہو گا تو کیا اُسے ادیب اور شاعر کہلانے کا حق ہے؟

جنوبی افریقہ کے شاعر اپنے وطن کی جد و جہد کے گیت گاتے ہیں، وہ شاعری اور ادب کو شکست اور فرار کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ احمد فراز نے چودہ نظموں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ آٹھ شعراء کی چودہ نظمیں۔ ان نظموں میں

زندگی کی علامت' جدوجہد کی توانائی اور مستقبل پر
ذات پر بھروسہ۔ شعر محض ڈرائنگ روم کی
شے نہیں ہے' میدان کارزار کی چیز بھی ہے۔

ہندوستان کے دو شعرا سلیمان اطہر جاوید اور
ناشر آذر کی نظمیں ہیں۔

برطانیہ کے سوہن راہی' پاکستان کے لطیف
ساحل، فارغ بخاری، حسن نعیم اور دیگر بہت
سے شعرا شریک ہیں۔

عابد سہیل، منصور قیصر، ڈاکٹر نوشاد علی
اور دیگر معتبر افسانہ نگاروں کے افسانے شریک
اشاعت ہیں۔

ہم اس سے قبل بھی اس رسالے پر تبصرہ کر چکے
ہیں۔ اس شمارے پر پھر چند سطور لکھنے پڑے۔ کیوں کہ
اس شمارے میں افریقہ کو خاص موضوع بنایا گیا ہے
یعنی افریقہ کی شاعری کا خاصا اچھا تعارف کرایا گیا ہے۔

اردو زبان کے لیے اردو انٹرنیشنل قابلِ فخر
مجلہ ہے۔

—— کلام حیدری

نام کتاب: **شب رنگ نو** (شعری مجموعہ)
مصنف: خالد سعید
ناشر: پیش رفت پبلی کیشنز، مسلم چوک، گلبرگہ
قیمت: پندرہ روپے

کتاب حمد سے شروع ہوتی ہے اور کسی شاعر کی
کئی نظموں کے مصرعوں کو نئی ترتیب دے کر ایک
نظم بنانے کی کوشش پر ختم ہوتی ہے۔
بیچ کے اوراق پر شاعر کا کلام ہے۔ غزلیں بھی
نظمیں ہیں۔

کہا گیا ہے کہ مسودہ مغنی تبسم صاحب نے دیکھا اور
شاعر کی درخواست پر کتاب کے لیے معنی خیز سرورق
ڈیزائن سے نوازا۔

مغنی تبسم صاحب سے قدرے شناسائی (تحریروں
کے ذریعہ) ہے' معتبر آدمی ہیں' سوچ سمجھ کر ادبی کام
کرتے ہیں۔ اس کتاب کے لیے مسودے کو صرف دیکھنا اور
ڈیزائن بنا دینا انہوں نے کافی سمجھا۔ ہم کیا عرض کریں۔

شاعری، شاعری ہے۔

اور خالد سعید نے شاعری کی ہے۔ خدا اُن کی
مدد کرے۔

—— کلام حیدری

نام کتاب: **لمحوں کا لمس** (شعری مجموعہ)
مصنف: مہر گیرا
پبلیشر: پرتیبھا پرکاشن، ٹیگور نگر، جمشید پور
قیمت: بیس روپے

آزاد گلاٹی نے پیش لفظ لکھا ہے' آزاد گلاٹی
کی رائے پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اس لیے یہ اقتباس
ملاحظہ فرمائیے:

> مہر گیرا نے زندگی کے زہر و قند کو
> چکھا ہے اور اپنے مشاہدات و تجربات
> کو تخلیقی عمل کی بھٹی میں اسی طرح
> تپایا ہے، اپنی شعری بصیرت اور فن کارانہ
> بصارت سے زبان و بیان کو وہ پیرایہ
> اظہار عطا کیا ہے جس سے قاری کو

[illegible] افسانوں کی دولت فراہم ہوتی ہے [illegible]
[illegible] کا حصہ ہے۔
[illegible]
[illegible] شکست گام ہوں رستہ مگر زیادہ نہیں
[illegible] سے میرا مگر سفر زیادہ نہیں
[illegible] راستہ زیادہ نہیں ہے مراد راستے کی طوالت
[illegible] رستہ زیادہ نہیں ہے، میں نے کہیں نہیں پڑھا۔
[illegible] بیتوں کو بے آبرو کرتی ہے چاہے وہ خود اردو
شاعروں کی آبرو ہو۔

ایک اور مطلع ملاحظہ ہو ؎

جی چاہتا ہے اپنا مقدر اُتار دوں
کاغذ پہ ایک پھول سا پیکر اُتار دوں

مقدر اُتار دینا " کیا ہوتا ہے؟ میں اس کی گہرائی
[illegible] کے معنی تک بھی نہیں پہنچ سکا۔
مگر کتاب کے مطالعے کی سفارش میں کر دوں
[illegible] کیا جاتا ہے سو اِس کتاب کو پڑھنے کی سفارش
[illegible] ہوں۔

——— کلام حیدری

نام کتاب : اُردو ناول میں خاندانی زندگی
مصنف : ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی
قیمت : چالیس روپئے
صفحات : ۲۹۶
سائز : ڈیمائی

پیش نظر کتاب ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی کا وہ تحقیقی
[illegible] ہے جس پر الہ آباد یونیورسٹی نے ڈی۔ فل کی ڈگری
[illegible] کی ہے۔ موصوف نے اس کتاب کو پہلے [illegible]
[illegible] کیا ہے۔ جو اس مقالے کے [illegible] ہے۔
[illegible] کی دو قسمیں ہیں FACTUAL

[illegible] .N
[illegible] RESEARCH
[illegible] کی [illegible] RESEARCH
نے دیا ہے یہ [illegible]

" اردو ناولوں کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
زندگی کی مختلف جہتوں اور مسائل
کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ " ص ۱
گرچہ اردو ناول میں خاندانی زندگی کے موضوع پر
اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی [illegible]
ناول کی تنقید میں یہ موضوع [illegible]
ہے۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی سے ڈاکٹر [illegible]
کی اصحاب نے ناول کی حیات پر قلم اٹھایا [illegible]
ناولوں میں پیش کردہ سماجیات اور [illegible]
خاندان کے انحطاط کا جائزہ لیا ہے مگر اس
کتاب میں ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی نے دوسرے [illegible]
چھوڑ کر صرف اسی نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے [illegible]
نے ڈپٹی نذیر احمد سے جیلانی بانو تک کے اردو ناول
نگاروں کے ناولوں میں خاندانی زندگی کی [illegible]
کی ہے۔ ان کی یہ کوشش یقیناً لائق ستائش ہے۔
یہ تحقیقی مقالہ [illegible] ابواب پر مشتمل ہے۔
باب اول میں خاندان کا تصور، اس کی مختلف
شکلیں اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی اور آخری باب
[illegible]
مصنف نے اردو کے [illegible]
مطالعہ کیا ہے [illegible]
[illegible]

THE Ashang Urdu Monthly
BAIRAGI, GAYA

olden Jubilee

Short Stories

Rs. 20/-

SIFAR

Short Stories

Rs. 20/-

Kalam Haidri

Alif - Laam Meem

Short Stories

Rs. 25/-

BARMALA

Literary Reviews

Rs. 15/-

BOOK-POST

[THE CULTURAL ACADEMY, (Regd.) GAYA]